DATE LABEL

15 9 07

Call No

Acc. No.

Date

UNIVERSITY OF KASHMIR
LIBRARY

This book should be returned on or before the last date stamped above. An over-due charge of 10/20 Paise will be levied for each day, if the book is kept beyond that date.

۲۵ نظمیں

کلیم الدّین احمد

K UNIVERSITY LIB.
K. DIVISION
Acc No 83497
Date 23. 3. 71
CHECKED
ALLAMA IQBAL LIBRARY
83497
ST 01

مرے خیال کا کہسار کون دیکھے گا
مری بلندئ رخشاں پہ کون آئے گا
چمک چمک کے اسے کون جگمگائے گا
یہ خاک و باد سے میری' یہ برق و باراں سے
ان آبشاروں سے، طغیانئ عناصر سے
بپھرتے، کھولتے طوفاں سے کون کھیلے گا

قمر کا خوف نہ ہے خطرۂ سحر تم کو
بتاؤ کس نے پنھائی قبائے زر تم کو
فلک سے دور دیا ہے زمیں نے گھر تم کو

مآل شعر کی کیسے ہو پھر خبر تم کو
چلو دکھاتا ہوں شاہیں کا میں جگر تم کو

تم اپنے پیارے سے شہروں میں شاد و خرم ہو
حسیں حسیں سی یہ سڑکیں، یہ خوبرو گلیاں
کھلا کھلا سا یہ میداں، سجے سجے یہ چمن
یہ زرق برق مکاں، دلفریب یہ ایواں
سجی ہوئی ہے ہر اک چیز کس قرینے سے
یہ حسن کاری، جڑے جیسے ہوں نگینے سے
نظر بھی پتلی میں پھرتی ہے کس سلیقے سے
دل سلیم بھی ہے، فکر نکتہ داں بھی ہے
سکون ذہن بھی ہے اور سکون جاں بھی ہے

اٹھا دو چنگ و رباب اپنی بزم عشرت سے
ہٹاؤ مستیٔ لرزاں، خم سکوں توڑو
اب آؤ چھوڑو چکوروں کی زرد رو دنیا

یہ جو فروشوں کی چھوڑو بھی گندمی دنیا
چلو کہ پھر دم عیسیٰ پکارتا ہے تمہیں
جو زندہ ہو تو نہ گھبراؤ شورِ طوفاں سے
جو زندہ ہو تو نہ خوف و خطر سے منہ موڑو
لگاؤ شہپرِ فکر اور اڑو اڑو ، دیکھو
بلندیاں جو یہ پھیلی ہوئی ہیں نیلی سی
یہ رفعتیں جو جھلکتی ہیں دھندلی دھندلی سی
یہ کیسے کوہ و کمر ہیں، یہ کیسے وادی ہیں
یہ ابر و باد کے جھٹکے ، یہ برق کے کڑکے
اجل فروش یہ طوفاں جو پل رہے ہیں یہاں

مرے خیال کا کہسار تم نے دیکھا ہے؟
یہ دیکھو سر بفلک کوہ سر اٹھاتے ہیں
زمیں سے اٹھتے ہیں، عرش بریں کو چھوتے ہیں
یہ چوٹیاں جو خلاؤں میں منہ چھپاتی ہیں
جو زرنگار بھی ہیں، زرفشاں بھی، زرگر بھی

یہ رفعتیں ہیں کہ جبریل بھی ہراساں ہے
خیال کانپتا ہے، عقل لڑکھڑاتی ہے

یہ کیسے غار ہیں، ظلمت کی راجدھانی ہے
وہ تیرگی ہے، شبِ ہجر بھی لرزتی ہے
یہ پھیلے پھیلے فسوں ہیں، یہ گہرے گہرے طلسم
بٹھا یا کس نے ہے تاریک شکل کش کو یہاں
یہ کیسی کیسی چٹانوں نے راہ روکی ہے
چٹانیں ہیں کہ یہ عفریت خیمہ زن ہیں یہاں
مہیب گھاٹیاں ایسی کہ روح گھبرائے
نہنگ ہے کہ پسارے ہوئے ہے منہ اپنا
ذرا جو جھانکو تو دل بھی گرے، نظر بھی گرے

گرے کہ جیسے بلند آبشار گرتے ہیں
جو گونجتے ہیں، گرجتے ہیں، سر پٹکتے ہیں
وہ شور کانوں کے پردے بھی دیکھو پھٹتے ہیں

وہ زور رو کے کسی کے بھلا وہ رکتے ہیں
چٹان راہ میں آئے تو پیس ڈالیں اسے
جو کوہ سینہ سپر ہو تو چور چور کریں

وہ کالے کالے سے بادل ہیں سینہ تانے ہوئے
سیاہ فوج نے جیسے بٹھا دیئے پہرے
یہ بجلیوں کا چمکنا، یہ کوندنا دیکھو
یہ کس کی تیغ برہنہ ہے شعلہ زن دیکھو
اِدھر وہ تیغ اٹھی اور اُدھر گری دیکھو
صفیں ہیں صاف، پرے خالی کر گئی دیکھو
وہ شرق و غرب میں تڑپی، تڑپ تڑپ کے گری
شمال میں بھی وہ چمکی، جنوب میں بھی گری
اِدھر وہ تڑپی، اُدھر چمکی اور تمام گری
غضب کی ندّی ہے وہ تیغ کیا چڑھی اُتری
نہ آہن اس سے بچے اور نہ سنگ اس سے بچے
بس ایک وار میں چور نگ ہو یہ دشمن دیں

وہ رعد کیسا گرجتا ہے شیر نر کی طرح
وہ شیر ہے کہ کوئی فیل مست بے زنجیر
یہ پیچ و تاب، یہ غیظ و غضب، یہ للکاریں
یہ شورشیں، یہ رواں، تیز و تند یلغاریں
یہ ہمہمے ہیں، یہ چیخیں ہیں، یہ ڈکاریں ہیں
سنے جو شیر تو اس کا کلیجہ پانی ہو
یہ کس غضب کے ہیں طوفاں جو اُٹھ رہے ہیں یہاں
خروش و جوش سے تھرّاتے ہیں زمین و زماں
کسے مجال کہ ان سے کہے ذرا ٹھہرو
کسے مجال انہیں ٹوکے ہاں ذرا سنبھلو
سمٹ سمٹ کے فلک چھپ رہا ہے زیر زمیں

وہ دیکھو کیسا شجر ہے ہوا میں لیٹا ہے
خلا کی موجوں پہ جیسے کہ تیرتا ہو کوئی
جڑوں سے، دل میں چٹانوں کے گھر بنائے ہوئے

وہ جھک کے پستئ دنیا کو دیکھے جاتا ہے
وہ ٹکٹکی ہے لگی جیسے دیدۂ مجنوں
نظر جمائے ہوئے دیکھے محمل لیلیٰ
سہارا لے کے اسی شاخ کا ابھی میں نے
یہ نیچے گرتے نشیبوں کو آہ دیکھا ہے
نشیب ہیں یہ جو میری نظر کو کھینچتے ہیں
نشیب ہیں یہ جو ہوش و خرد کو کھینچتے ہیں
نشیب ہیں یہ ارے جان و دل کو کھینچتے ہیں
ہوا کا شور ہے چاروں طرف مہیب مہیب
یہ آبشار جو گرتے ہیں آسمانوں سے
وہ غل مچاتے ہیں جیسے کہ صور محشر ہے
یہ آب و خاک و ہوا کا غضب نشاں طوفاں
وہ شور و غل ہے عناصر کا کان پھٹتے ہیں
عقاب چیختے ہیں، سنگریزے گرتے ہیں

یہ خوفناک صدائیں ہیں یا زبانیں ہیں

زبانیں کس کی ہیں اور کون سی زبانیں ہیں
وہ کہہ رہی ہیں سنو راز دل تباتی ہوں
زمیں کا راز ہے کیا آج میں تباتی ہوں
فلک کا راز ہے کیا آج میں تباتی ہوں
مکاں کا راز سنو، لامکاں کا راز سنو

سنا تو میں نے مگر کچھ سمجھ نہیں پایا
تمہیں یہ زعم ہے تم نے سمجھ لیا سب کچھ
بھلا بتاؤ تو باتوں کا مدّعا کیا ہے
جو لفظ لب پر ازل کے کبھی نہیں آیا
جو رازِ سینۂ ہستی میں راز بن کے رہا
وہ راز کیا ہے، کہو حرف مدّعا کیا ہے
جو میں نے دیکھا، دکھایا تمہیں، کہو کیا ہے

وہ سب ہے، کچھ بھی نہیں ہے کہ آہ وہ کچھ ہے
خلا ہے، سوزِ محبّت ہے۔ فتنۂ و شر ہے

وہ چار یار کی سازش، وہ شورشِ پیہم
وہ آب و آتش و خاک و ہوا کا ہنگامہ
جو روزِ روزِ قیامت ہے، شبِ شبِ محشر
وہ کیا ہے، کس نے اٹھایا ہے، کیسے اٹھتا ہے
یہ وہ سوال ہے جس کا جواب سوچو تو
یہاں ہے آب بھی اور اس جگہ ہے آتش بھی
ہوا ہے، خاک بھی ہے اور پھر خلا بھی ہے
یہ سب ہے، کچھ بھی نہیں ہے کہ حسن ہے کیا ہے
یہ سب ہے، کچھ بھی نہیں ہے کہ عشق ہے کیا ہے
یہ سب ہے، کچھ بھی نہیں ہے کہ خیر ہے کیا ہے
نہ مردمک میں یہ طاقت کہ وہ نظارہ کرے
نہ یہ زبان میں جرأت کہ وہ بیان کرے

سنو بتاتا ہوں پھر آج میں نے کیا دیکھا
یہ شعلہ خیز، بلا خیز اور جنوں انگیز
گرجتے، پھیلتے، پھٹتے، ابلتے، بل کھاتے

بھڑکتے، کھولتے، بڑھتے۔ لپکتے زنّاٹے
یہ جنگجو، یہ ستم کیش جو عناصر ہیں
انھیں جو دیکھا، جو سینے کو چیر کر دیکھا
یہ میں نے دیکھا، سنو، دیکھو میں نے کیا دیکھا
کہ ان کے دل میں سکوں لے رہا ہے انگڑائی
سکوت نے بھی بنایا ہے اپنا کاشانہ
درِ اماں بھی ہے، دارالسّلام بھی ہے یہاں

یہ میں نے دیکھا، بتاتا ہوں اور کیا دیکھا
مری خودی ہے یہاں اور مرا خدا بھی ہے
یہ میں نے دیکھا، خدا کا مکاں ہے ویرانہ
عظیم بھی ہے، قوی بھی ہے وہ مہیب بھی ہے
نہ شکل ہے نہ وہ صورت ہے اک ہیولا ہے
نہ ذوق حسن ہے دیکھو نہ حسن سیرت ہے

ابھر رہے ہیں یہاں داغہائے بے پایاں

وہ درد ہے کہ نہیں جس کی انتہا کوئی
وہ سوزِ دل ہے کہ جس سے نہ بچ سکا کوئی
فغاں ہے، نالہ ہے، فریاد بھی ہے، ماتم بھی
سنو وہ کیسی صدا اٹھ رہی ہے دھیمی سی
یہ کس کا گیت ہے دل کو لبھائے جاتا ہے
یہ کیسا نغمہ ہے جاں کو رجھائے جاتا ہے
سرور کیسا چھلکتا ہے چشمۂ دل میں
یہ خار کیسے کھٹکتے ہیں پائے مجنوں میں
خوشی کے پھول یہ کیسے ہیں چشمِ لیلیٰ میں
سیاہ فام وہ شب رنگ نفرتیں دیکھو
نکھر رہی ہیں یہ کیسی محبّتیں دیکھو
وہ برقِ حسن بھی ہے اور شمعِ عشق بھی ہے
وہی ہے نارِ سعیر اور بہارِ جنّت بھی

مرے خیال کا کہسار کون دیکھے گا
مری بلندیٔ تنہا پہ کون آئے گا

جسے ہو جرأت دل، جرأت آزما ہو یہاں
سرِ فلک سے وہ تحت الثّریٰ کو جھانکے تو
جہاں یہ ظلمت دل، ہول دل کا مسکن ہے
یہ کوہسار سنو کہہ رہا ہے کیا مجھ سے
خدا سے دیکھو خودی آج یوں ابھرتی ہے
کہ جیسے بادِ بہاری کا ہو چمن زنگار
کثافت اور لطافت کی ہے یہی زنجیر
یہی ہے تخمِ بقا اور یہی ہے تخمِ فنا
یہی ہے سوزِ محبّت یہی شکستِ وفا
مآلِ حسن یہی ہے، مآلِ شعر یہی
یہی ہے نکتۂ ایماں، یہی پیامِ ازل
اسی میں شعلے دہکتے ہیں اپنی دوزخ کے
اسی میں پھول مہکتے ہیں اپنی جنّت کے

مرے خیال کا کہسار آؤ دیکھو تو

فہرست

(۱)

یہ کس کا جنازہ اٹھ رہا ہے؟

افسردہ فضا، ہوا ہے خاموش
غمگیں بادل ہے، رعد خاموش
بجلی کی چمک ہے دھیمی دھیمی
موجیں اٹھتی ہیں سوئی سوئی
خاموش شجر، حجر بھی خاموش
ہنگامۂ بحر و بر بھی خاموش
دنیا لگتی ہے سونی سونی
یہ راہ ہے کیسی کھوئی کھوئی

خاموش زمیں، فلک ہے خاموش
سورج لو! ہو رہا ہے روپوش

یہ کس کا جنازہ اٹھ رہا ہے؟
انبوہ کثیر چپ کھڑا ہے
حیرت آئینہ دیکھتی ہے
عبرت بیٹھی ہے سر جھکائے
آنکھیں ہیں اداس، الم رسیدہ
ہونٹوں پہ ہنسی، نہ دل میں خندہ
کس بوجھ سے سب جھکے ہوئے ہیں
دل داغ سے کیوں بھرے ہوئے ہیں
باتیں کیوں ہیں رُکی رُکی سی
آہیں کیوں ہیں دبی دبی سی
کچھ چلتے ہیں سر کے بال کھولے
کچھ خاک ہیں سر پہ اپنے ڈالے
ہیں چاک کسی کے جیب و داماں

ٹکڑے ٹکڑے ہیں کچھ گریباں
چہروں سے یاس ہے نمایاں
جاں ہیں بیٹھے ہیں دردو حرماں

آشفتگی کیوں نہ ہو، جہاں سے
شاہنشہِ بے نظیر اٹھا
انساں کا وہی تھا اک سہارا
مجبوروں کا آسرا وہی تھا
درماں تھا وہی تو دردِ دل کا
تریاق تھا زہر جانگسل کا
طاقت جسمِ ضعیف میں تھا
جرأت فکر نحیف میں تھا
دل کو یہ تڑپ اسی نے دی تھی
اور خوں میں تپش اسی نے دی تھی
یہ ہوش و خرد، یہ شوق پرواز
یہ حُسن عمل، یہ عشق جانباز

سب اس کی عطائے بیکراں تھی
مرہم نہہ زخم عاشقاں تھا
درماں کن جان ناتواں تھا
خورشید مکان و لامکاں تھا
آج اس کا جنازہ اٹھ رہا ہے
یہ لاش ہے بے کفن اسی کی

افسوس ہے کہ وہم ہے یہ کیا ہے
دھندلا، روشن سا یہ ہیولا
کیا کیا شکلیں بدل رہا ہے
دیکھو جو ابھی تو مثل انساں
صورت اس کی نکھر رہی ہے
پھر دیکھو تو شکل مٹ چکی ہے
دھندلا گہرا سا ہے کہ جس میں
زرّیں کرنیں چمک رہی ہیں
آہستہ جلوس بڑھ رہا ہے

صورت ہر دم بدل رہی ہے
بدلے اس روپ نے بہت روپ
لیکن انداز قد وہی ہے
رحمٰن ہے وہ، رحیم ہے وہ
خالق ہے وہ، کریم ہے وہ

دل نے یہ کہا کہ اب نہ ٹھہرو
اس چلتے جلوس میں رواں ہو
یہ کون اجل نصیب آخر
رخصت ہوتا ہے اس جہاں سے
میں نے جو قریب جا کے دیکھا
حیرت نے گریباں میرا پکڑا
وحشت مرے دل میں جاگ اُٹھی
دہشت سے یہ جاں پکار اٹھی:
وہ موجد ہفت آسماں ہے
وہ خالق عرش ولامکاں ہے
مستجمع ہر کمال ہے وہ

بے مثل ہے، لایزال ہے وہ

آہستہ جلوس بڑھ رہا ہے
اس کوہ کی سمت جا رہا ہے
شاید وہ سر بلند چوٹی
شاید وہ قمر نشان چوٹی
اس حسن فروز شمع دیں کو
اس ظلمت نور آفریں کو
اس نیّر رحمت آسماں کو
ستّار عیوب انس و جاں کو
اس ربّ زمین و آسماں کو
خلّاق مکان و لامکاں کو
اپنے دامن میں ڈھانپ لے گی

دیکھو تو یہ کون کہہ رہا ہے
آواز یہ کیسی اُٹھ رہی ہے

دل میں، جاں میں جو گونجتی ہے
ہاں یاد کرو وہ دن کہ جس دن
صیّاد تھے تم، ہرن تھا اک صید
کیا حسن تھا شوخ و شنگ اس کا
کیا رم تھا وہ بے درنگ اس کا
کیا تیز کلیلیں کر رہا تھا
گھوڑوں پہ ہوا کے دوڑتا تھا
کس نے افسوں پڑھا یکایک
ایسا وہ گرا کہ پھر نہ اٹھّا
تم نے سوچا یہ اپنے دل میں
نادیدہ ہے کون یہ شکاری
جو آج شکار کھیلتا ہے
جس کے اَن دیکھے تیر نے یوں
آہو کی چوکڑی بھلائی
تم نے سمجھا کہ یہ شکاری
ہے چشم نظارہ بیں سے روپوش

پردے میں شکار کھیلتا ہے
تم نے سمجھا یہی خدا ہے
تم نے معبود اسے بنایا
اپنا مسجود اسے بنایا
آئینہ بنا کے اس کو تم نے
اپنا رخ روشن اس میں دیکھا

جبّار اسے بنایا تم نے
قہّار اسے بنایا تم نے
کیسی اسے کبریائی بخشی
کیسی اسے بے نیازی بخشی
ستّار عیوب بھی بنایا
غفّار ذنوب بھی بنایا
احساس جمال اس کو بخشا
اپنا یہ جلال اس کو بخشا
قادر بھی ہے، رحیم بھی ہے

ذو الفضل بھی ہے، کریم بھی ہے
قدّوس بھی ہے، جمیل بھی ہے
عادل بھی، بے عدیل بھی ہے

اپنے ارمان و آرزو سے
اپنی امّید نو بہ نو سے
اپنے عزم فلک نشاں سے
اور ہمّت عرش آستاں سے
اپنی چشم ستارہ بیں سے
اپنی فکرِ خرد نگیں سے
صنّاعی عجب دکھائی دل نے
اک شکل حسیں بنائی دل نے
اپنے ہاتھوں سے جس کو ڈھالا
اس کو اپنا خدا بنایا
یوں وہم بنا یقین صورت
جو خواب تھا ہو گیا حقیقت

بے مانگے جو سلطنت یہ پائی
شاہنشہی اس کو ایسی بھائی
یہ ملک ہے کس کا؟ وہ پکارا
اور کون و مکاں پہ چھاپا مارا

رفتارِ دوامِ وقت لیکن
روکے سے کسی کے کب رکی ہے
اس عرش نشین و دل نشیں کو
آخر اس تخت سے اتارا

اترا جو یہ تاج اس کے سر سے
وہ شرم سے گر پڑا زمیں پر
اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا

آج اس کا جنازہ اُٹھ رہا ہے
مستجمع ہر کمال کو اب

بے مثل کو، لایزال کو اب
مدفن کی طرف جو لے چلے ہیں
دل کیوں نہ ہو اضطراب در دل
جاں کیوں نہ ہو درد و غم سے لبریز
اجڑی لگتی ہے اب یہ دنیا
تاریک ہے آج ذہن انساں
ہیں فکر میں عقدے پیچ در پیچ

کیسے آسودہ تھے شب و روز
ایمان تھا جب عصائے موسیٰ
کہتی تھی نمازِ صبح دل سے
گھبراؤ نہ دن کی مشکلوں سے
مایوس نہ ہو مشقّتوں سے
اس کی رحمت کا ہے اشارہ
بے یار کا ہے وہی سہارا
ہر درد کا ہے وہی مداوا

کہتی تھی نمازِ شب یہ دل سے
یہ ظلمتِ شب جو جانگسل ہے
آرام کرو، نہ ہو ہراساں
وہ خواب میں اپنا ہے نگہباں
سوتا نہیں، اونگھتا نہیں وہ
وہ جاگتا، دیکھتا رہے گا
وہ عرش نشیں ہے پھر خطر کیا
دنیا میں خبیر کا ہے ڈیرا
اس کے ہوتے کسی کا ڈر کیا

یہ کلیوں کا روز روز کھلنا
بلبل کا چمن میں یوں چہکنا
غنچوں کا پھول بن کے ہنسنا
شبنم کا سبزوں پر چمکنا
سورج کا صبح دم ابھرنا

پھر شام کو اس کا منہ چھپانا
تاروں کی چمک، قمر کی تنویر
بجلی کی تڑپ، یہ ابر و باراں
یہ قوس قزح کا عہد رنگیں
میثاق ازل کی مہر زرّیں
یہ باتیں ہیں ضامن اس سخن کی
دنیا میں خیر کا ہے ڈیرا

وہ آہ! گزر گیا جہاں سے
اب ڈھونڈوں کہاں چراغ لے کر
اب کون ستارہ رہنما ہو
ٹھنڈک کس چاند سے میں مانگوں
خورشید کہاں جو روشنی سے
یہ ظلمت جان و دل مٹائے

دیکھو تو یہ کون کہہ رہا ہے

یہ سب ہے غلط، فریب ہے یہ
طوفان اٹھایا ہے کسی نے
بہتان لگایا ہے کسی نے
یہ سانگ بنایا ہے کسی نے
زندہ، پائندہ وہ رہے گا

میں کیسے امید انھیں بندھاؤں
مرجھا کے جو پھول گر پڑا ہو
میں شاخ پہ کیسے پھر کھلاؤں
یہ سوکھی ہوئی جو پتّیاں ہیں
میں تازگی ان میں کیسے پاؤں
ان میں میں رنگ کیسے دیکھوں
ان کی نکہت میں کیسے سونگھوں
میری جاں کا بھی پھول تھا وہ
تسکین دل ملول تھا وہ
میری آنکھوں میں روشنی تھا

میرے دل میں ہنسی خوشی تھا
لیکن وہ سرور اب کہاں ہے؟
وہ مایۂ نور اب کہاں ہے؟

بدبخت گھڑی یہ کیسی آئی
سر پر لو! آ گئی جدائی
اللہ یہیں بنے گا مدفن
اک شور اٹھا ہر ایک دل میں
ہر آنکھ میں آنسو ڈبڈبائے
سب نے اسے گور میں اتارا
اس نور کو خاک میں سلایا
پھر بادلِ تنگ و چشم حیراں
اپنے اپنے وہ گھر سدھائے
ظلمت نے ڈالا اپنا ڈیرا
اور شر نے کیا یہاں بسیرا

دیکھو! وہ کیا جھلک رہا ہے
جگنو سا وہ کیا چمک رہا ہے
تارہ ہے، ہلال ہے، وہ کیا ہے
بھٹکا سا جمال ہے، وہ کیا ہے
اک وہم نظر ہے یا حقیقت
کثرت کیا بن رہی ہے وحدت
ہاں! ہاں! وہ دور افق کے پیچھے
مدّھم سی کوئی روشنی ہے
ہلکی سی کوئی اک کرن ہے
جو لمعۂ نور بن رہی ہے
جو شعلۂ طور بن رہی ہے

○

۲

کون آتا ہے، کون آتا ہے
یہ صبح کی سرد ہواؤں میں
اور شامِ شفق کے رنگوں میں
جنگل کے گھنیرے سایوں میں
اور ریت کے تپتے ذرّوں میں
تاروں کی روپہلی کرنوں میں
سورج کے سنہری شعلوں میں
کون آتا ہے، کون آتا ہے

آواز یہ کیسی کانوں کے

پردوں سے مرے ٹکراتی ہے
دیکھو! وہ شکاری آتا ہے
یہ آنکھ ہے میری صید زبوں
یہ دل بھی ہے میرا صید زبوں
یہ جاں بھی ہے میری صید زبوں
میں کیسے بچوں ان نظروں سے
جو تیر بھی ہیں، شعلے بھی ہیں
تلوار بھی ہیں اور برق بھی ہیں
پتھر بھی کٹے، آہن بھی کٹے
یہ جاں میری پھر کیسے بچے؟

میں ایک چمن میں جا نکلا
کیا پھول کھلے تھے رنگیں رنگیں
لالے بھی تھے، ریحاں بھی تھے
اور حسن گلاب کی کثرت تھی
سنبل تھا پریشاں بال کھڑا!

اور سوسن تیز زباں بھی تھی
اور نرگس چشمک زن بھی تھی
میں نے یہ کہا کانٹوں سے: ذرا
پھولوں میں کوئی دم چھپنے دو
وہ دیکھ نہ لے، وہ دیکھ نہ لے
میں کیسے دکھاؤں منہ اس کو
میں شرم سے پانی پانی ہوں
اس نے تو ہزاروں پھول دیئے
اودے، پیلے، لال اور اجلے
وہ کیسے کومل، سندر تھے
کیسی نکہت، کیسی نزہت
کیسی نازک رعنائی تھی
میں نے انھیں توڑا، پھینک دیا
میں نے انھیں مسلا، روند دیا

نرگس نے کہا: وہ آتا ہے

ان آنکھوں سے میں نے دیکھا ہے
سوسن نے کہا: میں کہہ دوں گی
دیکھوں تو میں کیسے چھپتا ہے
سنبل نے کہا: ہاں دیکھ بھلا
اب کیسے بھاگ نکلتا ہے
میں مشکیں تیری کستا ہوں
کانٹوں نے بھی چٹکی لے کے کہا:
ہم اس کو اشارہ کر دیں گے
یہ پتّے کیسے کھڑکتے ہیں
دیکھو وہ شکاری آتا ہے!

ان بھولے بھالے پھولوں میں
الفت کی ذرا بو باس نہ تھی
میں نے پھر ان سے منہ موڑا
اور دشت کا دامن تھام لیا
اور اڑتے بگولوں سے یہ کہا

ان زرد بگولوں سے یہ کہا
ان شوخ غزالوں سے یہ کہا
میں بھاگ رہا ہوں صدیوں سے
میں صحرا صحرا پھرتا ہوں
اچھا ہو تمہارے دامن میں
کچھ چین ملے، آرام ملے
میں کیسے چار کروں آنکھیں
سرشار عزائم اس نے دیئے
اور سر بفلک امیدیں بھی
کیسی یہ جواں ہمت بخشی
اور حسن و عشق کے سپنے بھی
اور علم و عمل خرمن خرمن
کیا کیا نہ عطائیں تھیں لیکن
میں نے ان سب کو نشٹ کیا

وہ تند بگولے اڑتے رہے

میری نہ سنی، اپنی نہ کہی
سائے ہیں بھولوں کے جو گیا
تو وہ بولیں: چل دُور بھی ہو
ہیں کانٹے تجھ کو چبھو دوں گی
تو اس کا فراری مجرم ہے
اے میرے غزالو! بتلاؤ
وہ گوشۂ صحرا اپنا جہاں
وہ دل کا شکاری آ نہ سکے
اور گرد کو میری پا نہ سکے
ان شوخ غزالوں نے مجھ کو
کیا تند نگاہوں سے دیکھا
اور تیز ہوا کے گھوڑوں پر
وہ نظروں سے پھر اوجھل تھے

صحرا سے بجھی ہے پیاس کہیں
صحرا سے میں لوٹا یاس لئے

دریا سے کہا: سینے میں ترے
کتنے ہیں صدف، کتنے ہیں گہر
مجھ کو بھی چھپا لے سینے میں
آ مجھ کو بچا ان نظروں سے
شمشیریں جن میں دہکتی ہیں

دریا نے تو مجھ سے کچھ نہ کہا
ہاں موجوں میں اک جوش اٹھا
اور کتنے حباب ابھرے، بولے:
یہ آنکھیں اسی کی آنکھیں ہیں
تو جس سے چھپتا پھرتا ہے
اس سورج کی قندیلوں سے
ہاں دیکھ یہ آنکھیں روشن ہیں!

میں پھر بھاگا افتاں خیزاں
اور کوہ کے دامن میں پہنچا:

اے کوہ! چھپا لے چٹانوں کے
ان گہرے گہرے پردوں میں
اے کوہ! چھپا لے غاروں کے
ان کالے کالے حجروں میں
ان تیز دہکتی نظروں سے
ان شعلوں سے، شمشیروں سے
اے کوہ! اٹھ اور گر جا مجھ پر
آ مجھ کو چھپا، آ مجھ کو چھپا
ان میری خونی نظروں کو
ان میرے خونی ہاتھوں کو
اس لوثِ تخیل کو میرے
اس پاپ بھرے دل کو میرے
اس روحِ شکستہ پا کو مری
اٹھ! جسم کے پرزے پرزے کر
اس جان کے ٹکڑے ٹکڑے کر
سرمہ کی طرح پھر پیس انھیں

اور تیز ہواؤں میں بکھرا
وہ یوں بکھریں، وہ یوں بکھریں
کوئی نہ انھیں پھر دیکھ سکے
ڈھونڈے جو انھیں تو پا نہ سکے

وہ کوہ تھا، میں تھا خاموشی
کچھ اپنی زباں میں کہتی تھی
ہمّت ہے کسے، جرأت ہے کسے
جو تجھ کو چھپا لے چٹانوں میں
یا کالے غاروں میں
چھُپ سکتا ہے کون ان نظروں سے
جو کوہ کے دل کو چیرتی ہیں
جو کوہ کے ذرّوں ذرّوں سے
یہ تانے بانے بنتی ہیں

جب کوہ نے میری کچھ نہ سنی

مایوسی سی مایوسی تھی
کوئی نہ چھپائے گا مجھ کو
کوئی نہ بچائے گا مجھ کو
دیکھو! وہ شکاری آتا ہے
وہ دھیرے دھیرے آتا ہے
دیکھو! وہ کماں کو دوش سے اب
ہاتھوں میں اپنے لیتا ہے
اک تیر وہ اپنے ترکش سے
چلّے میں کماں کے رکھتا ہے
اے میری زمیں! اے پیاری زمیں!
دامن میں چھپا لے اپنے مجھے
اے سینۂ گیتی شق ہو جا
اور کھینچ لے اپنے دل میں مجھے
اس تیر سے مجھ کو تو ہی بچا

یہ سینۂ گیتی شق نہ ہوا

میں شہپرِ فکر لگا کے اڑا
بے مہر زمیں سے دور اڑا
یہ کیسے کالے بادل ہیں
جو شعلوں کے جلتے نیزوں کو
سینوں میں اپنے چھپاتے ہیں
دھرتی کو ان سے بچاتے ہیں
میں نے یہ کہا: سُن اے بادل
میرے ساتھی، میرے ہمدم
اس رنگ و بو کی دھرتی پر
اس اونچی نیچی دھرتی پر
اس چوڑی پھیلی دھرتی پر
کوئی بھی مسیحا مل نہ سکا
جو میرے تھکے ہارے دل کو
جو میری چھوٹتی نبضوں کو
آرام و سکوں کی دوا دیتا

بادل نے جو یہ فریاد سنی
تو آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے
اور درد سے سینہ شق بھی ہوا
بجلی کڑکی ، بادل برسا
آنسو کی مسلسل جھڑیاں تھیں
یہ بارش رکتے رکتے رُکی
بادل کا نشاں پھر کچھ بھی نہ تھا

پھر شہپر فکر کو دی حرکت
اور دور فضاؤں میں دوڑا
پورب ، پچّھم ، اترّ ، دکھّن
کوئی نہ ملا ، کوئی نہ ملا
جو میرے ننگے چہرے کو
دامن میں اپنے چھپا لیتا
ضوبار فضاؤں سے پوچھا

زرتار خلاؤں سے پوچھا
کوئی بھی طلسم ظلمت ہے
جس میں وہ شکاری آ نہ سکے
زرتار فضا نے کچھ نہ کہا
ضوبار خلا نے کچھ نہ کہا

پھر چاند سے میں نے رو کے کہا:
اے چاند چھپا لے آج مجھے
ان سونے غاروں میں

میں کیسے چھپاؤں تجھ کو بھلا
تو درد سے میرے واقف ہے
یہ داغ بھی تو نے دیکھا ہے
چھوٹی ہے زمیں یہ جب سے تری
مجبور ہوں میں، مجبور ہوں میں
اس یاس میں اب ہے آس یہی

اک روز وہ سونی بستی میں
قدموں کو پھر اپنے رکھے گا
ان اجڑی، خشک فضاؤں میں
پھر تازہ بہاریں آئیں گی
اور رنگ نئے دکھلائیں گی

زہرہ نے کہا: چل دور بھی ہو
کیوں اپنا دکھڑا سناتا ہے
کیوں ناحق مجھ کو ستاتا ہے
اب مجھ کو کہاں ہے وقت اتنا
جو بھولی بھٹکی باتیں سنوں
پیغام ابھی یہ آیا ہے
وہ میرا دلبر آتا ہے
اور دل کو میرے بساتا ہے
زلفیں تو سنوار دوں میں اپنی
مژگاں تو سنبھالوں میں اپنی

وہ میرا مہماں آتا ہے
وہ درد کا درماں آتا ہے!

میں پھر مارا مارا پھرا
مریخ نے میری کچھ نہ سنی
اور یہ جو عطارد بیٹھا ہے
لال آنکھیں مجھ کو دکھاتا ہے
اور وہ جو زحل ہے دور کھڑا
وہ جان کا میری دشمن ہے
ہاں مشتری جو ہے زہرہ جبیں
وہ مجھ کو اشارے کرتی ہے
دم الفت کا وہ بھرتی ہے
پر وہ ہے ازل سے ہرجائی
دل اس پہ بھروسا کیسے کرے

سورج سے کہا: اب تو ہی بتا

ان سات افلاک میں تیرے بھلا
کیا میرا پرساں کوئی نہیں
اک گوشۂ تنہا کوئی نہیں
لے تو ہی بٹھا آغوش میں اب
لے تو ہی چھپا لے شعلوں میں

سورج نے کہا: چل دور پھٹک
میں ہجر میں اس کے جلتا ہوں
شعلے جو دہکتے ہیں دل میں
جو آگ کے دریا بہتے ہیں
جو آگ کے طوفاں اٹھتے ہیں
یہ اس کے ہجر کی دولت ہے
فرقت کا سارا خزانہ ہے
بے چین ہوں میں، بے چین ہوں میں
آرام کہاں ہے دل کو مرے
دن رات کی یہ بیتابی ہے

یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
اب دیکھیں کب وہ آتا ہے
کب آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں
کب دل میں سکوں لہراتا ہے
کب جاں میں خوشی بل کھاتی ہے

سورج بھی جب دشمن نکلا
پھر کیسے نظامِ شمسی میں
اس صید زبوں کو پناہ ملے
بیدرد نظامِ شمسی سے
اس چاند سے، رقصاں شعلوں سے
میں آگے بڑھا، بڑھتا ہی گیا
پھر کتنے چاند اور سورج دیکھے
پھر کتنے ستارے دہکتے دیکھے
کیسے کیسے سیّارے تھے
جو محفل اپنی جماتے تھے

کیسے رقص تھے، کیا کیا نغمے
پر ایک بھی دل میں درد نہ تھا

کیسی سیمیں، رخشاں آنکھیں
کیسی زرّیں، سوزاں آنکھیں
کیسی برّاں، برّاں آنکھیں
کیوں چاروں طرف سے گھورتی ہیں
اللہ! یہ کیسے گھورتی ہیں
کیوں بہ پیہم گھورے جاتی ہیں!

یہ ان کی خموشی کہتی ہے:
چل دور، یہاں کیوں آیا ہے
تو بھاگ رہا ہے یوں جس سے
جس کے ڈر سے تو لرزاں ہے
جس کا تو اک صید زبوں ہے
اس نے ہی اپنی حکمت سے

یہ زرّیں جال بچھایا ہے
تو اڑ کے کہاں اب جائے گا
کیوں ناحق شور مچاتا ہے

سنسار میں کوئی بھی نہ ملا
جو میری سنے، جو جان حزیں
پر دامن رحمت پھیلائے
میں دھرتی پر تب لوٹ آیا
اور اپنے شکاری سے یہ کہا:
یہ دل بھی میرا حاضر ہے
یہ جان بھی میری حاضر ہے
ہاں شوق سے تیر اندازی ہو
وہ تیر لگے جو کاری ہو!

دیکھا وہ کماں بردوش مرا
آئینہ مجھ کو دکھاتا ہے

یہ میری کماں ہے تیری کماں
یہ میرے تیر بھی تیرے ہیں
تو صید بھی ہے، صیّاد بھی ہے
پھر کیوں تو مجھ سے گریزاں ہے؟

○

(۳)

آج کی رات جو آئے ہو تو رہ جاؤ یہاں
اب مرے اے دلِ آوارہ کہاں جاؤ گے

اپنے زخموں کو میں اب کیسے دکھاؤں تم کو
تم تو سنتے ہی نہیں، کیسے بتاؤں تم کو
میری جانسوز محبّت کا تقاضا ہے یہی
تم اگر میرے نہیں ہو تو کسی کے بھی نہ ہو
تم محبّت کے ادامر کو بھلا کیا جانو
دل لگانے کی اذیّت کو بھلا کیا جانو
تم نے کیوں دل کا سکوں چھین لیا

چین دن سے لیا، راتوں سے مری نیند بھی لی
تم مرے دل میں یہ بیباکی سے کیوں گھس آئے
میں نے کب تم کو بلایا تھا، اجازت دی تھی
تم نے کیوں زور زبردستی کی؟

مجھے معلوم نہ تھا، تم سے میں سچ کہتی ہوں
عشق کہتے ہیں کسے اور محبّت کیا ہے
وہم ہے یا کہ گماں ہے مجھے معلوم نہ تھا
دل گیتی بھی تپاں ہے مجھے معلوم نہ تھا

تم نے اک روز کہا: آؤ چلو سیر کریں
سیر تو ایک بہانہ تھا، ارادہ تھا کچھ اور
مجھ کو تم لائے کہاں، اب میں کہوں کیا تم سے
وہ زمیں جو مری قسمت میں ازل سے تھی لکھی
روز جو سینکڑوں قرنوں سے بلاتی تھی مجھے
تم نے مجھ سے کہا: دیکھو میں یہاں رہتا ہوں

پھر لجاجت سے کہا:

چند لمحوں کے لئے آؤ ذرا دم لے لیں
کچھ جو میں جھجکی تو کس شوق سے اصرار کیا:
مان لو میرا کہا، میری خوشی ہے اس میں
تم جو ٹھہرو، مری قسمت کا ستارہ چمکے
چند لمحوں کے لئے مجھ کو بھی جنّت مل جائے
یہ بھی اک بات زمانے میں ہمیشہ کے لئے
یاد رہ جائے کہ تم آئے بصد ناز آئے
میری سوئی ہوئی قسمت کو جگاتے آئے
تم جو ڈرتی ہو کہ رسوائی تماشا نہ بنے
کون دیکھے گا تمہیں، کون کہے گا کس کو
چند لمحوں میں یہاں سے تو، چلی جاؤ گی

کیسا وہ دن تھا، نہ معلوم وہ کیا ساعت تھی
ماننا تھا نہ یہ کہنا مجھے پر مان گئی
چند لمحوں کے لئے، دیکھو کہیں دیر نہ ہو

تم نے پرشوق نگاہوں سے مجھے پھر دیکھا
بولے: آئی ہو تو بیٹھو بھی تکلّف کیا ہے
ہاں اجازت ہو تو کچھ شعر سناؤں اپنے
داغ دل، داغ جگر تم کو دکھاؤں اپنے
شعر تھے شعر کہ لہراتے ہوئے شعلے تھے
میرے دل میں جو چھپے تھے یہ وہی نغمے تھے
رنگ و بو کا ہو پھلا پھولا سا گلشن جیسے
حسن کا روپ ہو اور عشق کا جادو جیسے
شعر خاموش ہوئے، آنکھوں نے نغمہ چھیڑا
بے صدا نغموں نے پھر دل کا گریباں پکڑا
کیا بتاؤں میں کہ ان آنکھوں میں کیا کیا دیکھا
اپنی سرمست جوانی کا تقاضا دیکھا

پھر میں گھبرا کے اٹھی اور کہا: جاتی ہوں
دیکھو روکو نہ مجھے، اب میں چلی، جانے دو
پھر میں آؤں گی کبھی، دیکھو میں سچ کہتی ہوں

تم نے کچھ بھی نہ کہا، ہاں مجھے کچھ بھی نہ کہا
سُنو، خاموش نگاہوں نے یہ روکا مجھ کو
اور خاموش لبوں نے کہا: بیٹھو بھی ذرا
اور شعروں نے کہا: دیکھو کہاں جاتی ہو
میرے ارمانوں کو بے رحم نہ روندو دیکھو
میرے خوابوں کو نہ بیدردی سے پامال کرو
میری اس نذرِ محبّت کی تو کچھ قدر کرو
دل میں آئی ہو تو پھر دل کی بہاریں دیکھو
لالۂ و گل ہیں یہاں، سنبل و ریحاں ہیں یہاں
سوسنِ تیز زباں، نرگسِ فتّاں ہیں یہاں
نازبو بھی ہے، چنبیلی بھی ہے، نسریں بھی ہے
بیدِ لرزاں بھی ہے اور سروِ خراماں بھی ہے
آرزوؤں کے یہ گاتے ہوئے چشمے دیکھو
اور فوّاروں کے بہتے ہوئے نغمے بھی سنو

تم نے روکا نہ مجھے اور میں جا بھی نہ سکی
یہی ہونٹ آگئے از خود مرے ہونٹوں کے قریب
یہی ہاتھ آگئے از خود مرے سینے کے قریب
یہی سر تھا، مرا شانہ تھا، مری باہیں تھیں
جیسے دو شعلے جو ہنس ہنس کے گلے ملتے ہوں
سانس چلتی تھی کہ چلتی ہوئی شمشیریں تھیں
دل کی دھڑکن کی صدا عرش سے ٹکراتی تھی
قیس کا دل تھا وہی، عشق کا جادو تھا وہی
حسن کے دشت و جبل میں رم آہو تھا وہی
کوئی قزّاق تھا، جانباز تھا، جانے کیا تھا
میری دیواروں کو توڑا، مرے در کو کھولا
میرے قرآن کو سینے سے لگایا تم نے
میرے کعبہ کو جبینوں سے سجایا تم نے
جسم تھا جسم کہ اک روح کا انگارہ تھا
ساری دنیا انہیں جسموں میں سمٹ آئی تھی
کبھی دوزخ کی تپش تھی، کبھی جنّت کی ہوا

جیسے آغوش میں دوزخ کی ہو جنّت خنداں
رقص کرتی تھی زمیں شعلۂ رقصاں کی طرح
زہرہ و مشتری حسرت سے مجھے تکتی تھیں
رقص ہی رقص تھا، سنسار میں اور کچھ بھی نہ تھا
چاند سورج بھی نہ تھے اور ستارے بھی نہ تھے
حور و غلماں بھی نہ تھے، جنّ و ملائک بھی نہ تھے
عرش پر دیکھو مرے دل کے سوا کوئی نہ تھا!

دل مرا تم نے لیا پھر اسے ٹھکرایا کیوں
دل نہ لینا تھا، نہ لیتے، مجھے ترسایا کیوں
میں نہ کہتی تھی نہ چھیڑو مرے ارمانوں کو
میں نہ کہتی تھی جگاؤ نہ مرے خوابوں کو
میں نہ کہتی تھی مرے دل کو نہ بیدار کرو
میری خوابیدہ تمنّا کو جگایا تم نے
ننّھی کلیوں کو مری پھول بنایا تم نے
سازِ خاموش کو نغموں سے بسایا تم نے

خوں کی ہر بوند میں اک شمع جلائی تم نے
روح کو شعلۂ جوّالہ بنایا تم نے
سچ بتاؤ تو خفا کیوں ہو مری صورت سے
میری آنکھوں سے یہ تم آنکھیں چراتے کیوں ہو
میرا یہ جرم ہے میں نے تمہیں کیوں پیار کیا
میری نظروں میں وہ دن ہے، اسے کیسے بھولوں
اے خوشا وقت کہ دیکھا تھا تمہیں پہلے پہل
اور مری نیچی نگاہوں نے کہا تھا کیا کچھ
تمہیں کچھ یاد بھی ہے؟ کچھ بھی نہیں

آج کی رات وہ آئے گا، ضرور آئے گا
منتظر ہوں میں وہ سرمست غرور آئے گا
سنو یہ میرے کواڑوں پہ ہے دستک اس کی
میرے دروازے کی کنڈی کو ہلاتا ہے وہی
ٹھہرو! اس زلف پریشاں کو بنالوں تو چلوں
اپنی پژمردہ جوانی کو سجالوں تو چلوں

کالے بادل کی گھٹائیں، زرِ افشاں کے نجوم
روشن آنکھوں کے چھلاوے، لبِ رنگیں کے کنول
لالے رخسار کے، ابھرے ہوئے سینوں کے انار
ہاں ذرا حسن کے جادو کو جگا لوں تو چلوں
میری سانسوں کے وہ سوئے ہوئے نغمے جاگے
پھر رگوں میں مری اٹھنے لگیں خوں کی موجیں
پھر دلِ سرد میں جلتے ہوئے شعلے بھڑکے

کیسی سنسان سڑک ہے، مرا آنے والا
تیز اور تند ہواؤں کے سوا کوئی نہیں!

کون آئے گا مرے حجرۂ تاریک میں اب
کون اب شمع جلائے گا دلِ ویراں میں
میرے ہونٹوں کی ہنسی، میری نظر کی قندیل
اور اس دل کی خوشی اب نہ کبھی آئے گی
میری امّید کا آج اس نے گلا گھونٹ دیا

تم کو پھر اس دلِ مایوس پہ رحم آ ہی گیا
تم نے چاہا کہ مرے زخم پہ مرہم رکھو
تم نے چاہا کہ دہکتے ہوئے شعلوں کو مرے
پیار کی نرم ہواؤں سے بجھاؤ، قدرے
اس لئے آئے مرے سونے مکاں میں دیکھو
اس سیہ خانے میں کیسی ہے یہ بجلی کی چمک!
آئے اور آکے مرے پاس ہی تم بیٹھ گئے
اور نرمی سے یہ پوچھا کہ یہ وحشت کیوں ہے
میں نے کیوں اپنی جوانی کو لٹا رکھا ہے
میں نے کیوں شوق کو دیوانہ بنا رکھا ہے
نہ وہ خوابیدہ سی آنکھیں ہیں، نہ کاجل کی لکیر
کیا ہوئی صندلی ہاتھوں سے حنا کی تحریر
رنگِ رخسار پر اب کیوں نہیں غازے کا غبار

میں نہ کچھ بولی، جو کہتی بھی تو کیا کہتی میں

تم جھکے اور مرے ہاتھوں کو
صندلی ہاتھوں کو جو سرد تھے مرمر کی طرح
اپنے ہاتھوں میں لیا اور دبایا ان کو
اف! ان ہونٹوں پہ وہ ہلکا سا تبسّم دوڑا
اور کس پیار کے انداز سے تم نے یہ کہا:
میں تمہارا تھا، تمہارا ہوں، یہ صورت کیوں ہے
دل میں یہ درد کے ناسور ٹپکتے کیوں ہیں
میں تمہارا ہی وارفتہ و دیوانہ ہوں
حسن کی شمع کا بھٹکا ہوا پروانہ ہوں
آج اس در پہ بھکاری کی طرح آیا ہوں
دولت حسن کی اک بھیک عطا ہو مجھ کو
آؤ، اس زلف پریشاں کو سنوارو اپنی
آؤ، آنکھوں میں نئی شمع جلاؤ اپنی
آؤ، ہونٹوں پہ نئے پھول کھلاؤ اپنے
بجلیاں عارض روشن میں بناؤ اپنے
پھر قصیدہ وہ جوانی کا سناؤ دل کو

اور افسانۂ الفت نئے عنواں سے کہو

میری آنکھیں اٹھیں اس رخ کا سہارا لے کر
میں نے دیکھا کہ پھر آنکھوں میں وہی رونق ہے
وہی قندیل بیاباں ہے، وہی عشق کی آگ
جیسے تم نے کبھی دل سے نہ بھلایا تھا مجھے
جیسے تم نے کبھی دل کو مرے ٹھکرایا نہ تھا
جیسے نظروں سے کبھی تم نے گرایا ہی نہ تھا

میں اٹھی اور گئی آئینہ خانے کی طرف
اور آئینے سے پردہ کو اٹھایا میں نے
کون بیدرد تھا جس نے یہ بہاریں لوٹیں!
خم گیسو ہے کہاں، طرۂ پیچاں ہے کہاں
چشم جادو ہے کہاں، پنجۂ مژگاں ہے کہاں
لالۂ گل ہیں کہاں نرگس و ریحاں ہیں کہاں
میری رنگین مہکتی سی جوانی ہے کہاں

میرے جوبن کی بہاروں پہ خزاں چھائی ہے
میرے گالوں پہ ہے لالی نہ لبوں پر سرخی
زرد چہرہ ہے، نگاہوں کی کرن ہے خاموش

آؤ پھر آج نگاہوں میں اجالا کرلیں
آج کی رات محبّت کو چراغاں کرلیں
میں نے شانہ کیا، بالوں کو سنوارا اپنے
پھر وہی خم ہیں وہی طرّے ہیں پیچاں پیچاں
پھر وہی صبح جبیں میں ہے ستاروں کی جھلک
پھر وہی آنکھوں میں شمعیں ہیں فروزاں کیا کیا
پھر وہی گال ہیں جیسے ہو شفق میں بجلی
کہیں ہیرے کی چمک ہے، کہیں نیلم کی دمک
یہ زمرّد ہیں پڑے، لعل و گہر بھی ہیں جڑے
پھر خزاں دیدہ جوانی ہے بہارِ زرّیں

میں نے پھر سوچ کے کچھ تھوڑا سا شربت گھولا

خواب آور جو دوائیں مری ہمدم تھیں انھیں
میں نے شربت میں سبھی ڈال دیا
اور رنگین گلاسوں میں وہ شربت ڈھالا
کیسا خوش رنگ یہ شربت ہے محبّت کی طرح!
کیسا شیریں ہے مزہ اس کا، محبّت کی طرح!
اس میں بھینی سی ہے خوشبو بھی محبّت کی طرح!
میں نے ہنس ہنس کے دیا، تم نے پیا ہنس ہنس کر
پھر مجھے پیار کیا اور ملائیں آنکھیں
میری آنکھوں کی مچلتی ہوئی کرنیں دیکھیں
جن کی جلتی ہوئی شمعوں میں نئی رونق تھی
تم نے دیکھا تو یہی دیکھا کہ میرے دل میں
وہی ارمان، وہی شوق، وہی حسرت ہے
تم نے گالوں کے مرے پھولوں کو دیکھا سونگھا
اپنے ہونٹوں سے مرے ہونٹ میں شربت گھولا
ہنس کے پھر مجھ کو لٹایا، مرے کپڑے کھولے
حسن عریاں کو مرے تم نے جو عریاں دیکھا

پھر ہوس کا تھا وہی بھوت، وہ شہوت کا جنوں
وہی سنگین سلاخ اور وہی ننّھا سا گہر
پھر جو ہونا تھا ہوا

ارے اب رقص دو عالم میں رکاوٹ کیوں ہے
تارے روپوش ہیں، سورج بھی بجھا جاتا ہے
کیوں ہے اب سانسوں کی چلتی ہوئی تلوار خموش
کیوں ہے اب دل کی دھڑکتی ہوئی جھنکار خموش
دیکھو یہ گال مرے گال پہ بوجھل کیوں ہے
دیکھو یہ جسم مرے جسم پہ پتّھر کیوں ہے؟
لو! مری آنکھیں بھی اب بند ہوئی جاتی ہیں

آج کی رات جو آئے ہو تو رہ جاؤ یہاں
اب مرے اے دل آوارہ کہاں جاؤ گے!

○

(۴)

مجھے شعر کہنے کی فرصت کہاں ہے
مری زندگی اک مسلسل غزل ہے
کبھی رندِ سرمست، جرأت بداماں
کبھی سوزِ در دل، کبھی داغ ساماں
مری سانس میں شعر پلتے ہیں دیکھو
لہو میں مرے شعر ابلتے ہیں دیکھو
مرے دل کی دھڑکن ہی میری غزل ہے

یہ شاعر جو ہیں عشق کا راگ گاتے
جو مجنوں کبھی اور کبھی کوہکن ہیں

یہ لیلی بھی ان کی، یہ شیریں بھی ان کی
انہیں کیا خبر عشق کیا بد بلا ہے
یہ دل کی جلن ہے، یہ آتش بہ جاں ہے
اذیّت ہے، دست تہہِ سنگ جیسے
یہ زحمت ہے، آئینہ پر زنگ جیسے
وہ زلفوں کی راتوں میں یوں ہیں بھٹکتے
شبِ تار میں غول شبرنگ جیسے
وہ مژگاں کے پنجوں میں یوں ہیں تڑپتے
قفس میں ہو اک بلبل زار جیسے
وہ آنکھوں میں روشن کرن دیکھتے ہیں
وہ گالوں میں لعل یمن دیکھتے ہیں
وہ دانتوں میں درِّ عدن دیکھتے ہیں
کبھی ہونٹوں پر پھول ہیں وہ کھلاتے
کبھی ہاتھ مرجاں سے ہیں وہ سجاتے
وہ سینوں کے مرمر پہ ہیں ہاتھ ملتے
کمر کی رگِ گل کو وہ ہیں مسلتے

پھسلتی نظر ہے کمر سے جو نیچے
تو گرداب میں ہیں وہ غوطے لگاتے

وہ آڑے کھڑے کے فسوں سے ہیں حیراں
وہ آڑے سے لرزاں، کھڑے سے گریزاں

شب ہجر وہ آگ کرتے ہیں روشن
شب وصل جیسے ہو گلبار گلشن

نہ وہ ہجر جانیں، نہ وہ وصل جانیں
خیالی محبّت، خیالی سراپا!
انہیں شعر کہنے سے فرصت کہاں ہے

یہ لفظوں کی مورت میں کیسے بناؤں
میں شاعر نہیں ہوں، میں شاعر نہیں ہوں
مرے شعر؟ اچھا سناتا ہوں تم کو
ذرا دیکھو اس شوخ کافر ادا کو
جو آغوش میں میری بیٹھی ہوئی ہے
یہ بھورے سے گیسو غضب دلربا ہیں

اور ان میں چمکتے ہیں کیسے یہ جگنو
یہ ریشم کا فانوس ہے جس سے گویا
نکلتی ہے چھن چھن کے لَو شمعِ جاں کی
جو آنکھیں بھی دیکھو تو ہیں بھوری بھوری
مگر ان میں روشن نرالی کرن ہے
کرن ہے کہ یہ بجلیاں کھیلتی ہیں
جو گرتی ہیں، جلتی جلاتی نہیں ہیں
یہ گرتی رہیں خرمنِ جاں پہ میرے!
جو بات اس کی دیکھو تو ہے بھولی بھالی
ادائیں بھی اس کی ہیں کیا پیاری پیاری
نہ دل اور نہ دل کی لگی جانتی ہے
وہ جی کو جلانا نہیں جانتی ہے
ابھی اس کی اٹھتی جوانی کے دن ہیں
کلی ہے جو پھول اب بنا چاہتی ہے
نگاہوں میں مستی سی کچھ چھا رہی ہے
تبسّم میں شوخی سی کچھ آ رہی ہے

وہ اڑتی سی تتلی ہے دل کے چمن میں
جو آتی ہے دل میں، جو پھرتی ہے دل میں
جو رقصاں ہے اک موجِ بیتاب جیسے
ٹھہرنا اسے دل میں مَیں نے سکھایا

ارے یہ مصوّر کی تصویر دیکھو
یہ تصویر ہاں کچھ کہا چاہتی ہے
یہ ساون کی کیسی گھٹا اٹھ رہی ہے
یہ کیسی امنڈتی ہوئی آ رہی ہے
ترستے دلوں کو جو ترسا رہی ہے
یہ زلفیں نہیں، راتیں ہیں کالی کالی
انھیں میں جھلکتا وہ ماہ جبیں ہے
شب تار میں جیسے جھلکے ستارہ
سیاہی کو کیا روشنی مل رہی ہے!
یہ مخمور آنکھیں، یہ مغرور آنکھیں
نشے میں ہیں کیسی یہ ہشیار آنکھیں

یہ مژگاں ہیں کیسی نوکیلی نوکیلی
جو دل میں مرے بس چبھی جا رہی ہیں
وہ گالوں میں ہیں سرخ شعلے دہکتے!
وہ ہونٹوں پہ ہیں سرخ شعلے دہکتے!
یہ دل میں دہکتے، دہکتے رہیں گے
ارے دستِ رنگیں ہے یا کوئی مصرع
صباحت، نزاکت، لطافت کا مطلع
یہ کیسی حسیں، دل نشیں انگلیاں ہیں
مرے دامنِ دل کو جو کھینچتی ہیں
یہ تصویر ہے، اس میں کس بل کہاں ہے
جو بالوں کو سونگھو تو نکہت نہیں ہے
جبیں کو جو چومو لطافت نہیں ہے
لبوں کو جو چوسو تو کچھ رس نہیں ہے
عجب کھردرے ہیں یہ رخسار رنگیں
نہ نرمی، نہ گرمی، نہ باتیں، نہ گھاتیں
یہ جادو ہے رنگوں کا، اس میں تڑپتی

مچلتی، نکھرتی ہوئی جاں کہاں ہے؟

میں رنگوں سے تصویر کیسے بناؤں
مصوّر نہیں میں جو رنگوں سے کھیلوں
میں بے رنگ رنگوں سے کیوں دل لگاؤں
ذرا دیکھو اس شوخ کافر ادا کو
مرے خانۂ دل میں جو جلوہ گر ہے
یہ زلفیں ہیں جیسے گھٹا کالی کالی
جو سونگھو تو جیسے شمیم ارم ہے
یہ بل کھاتی ہیں اس کے چہرے پہ جیسے
رہیں ناگنیں لعل پر سر پٹکتی
یہی ناگنیں مجھ کو ڈستی رہی ہیں
مگر زہر میں ان کے امرت چُھپا ہے
جڑ میں جس کے سر پھر امر اس کو کر دیں!
ان آنکھوں میں شوخی بھی ہے دلبری بھی
شرابی ہیں اور مستیاں بیچتی ہیں

جو اک گھونٹ مل جائے تو زندگی ہے
مجھے خُم کے خُم مستیاں مل رہی ہیں!
ذرا دیکھو ان لال ہونٹوں کو اس کے
کبھی تم نے پھول ایسا دیکھا ہے کوئی
چمن میں بھی ڈھونڈا، ارم میں بھی ڈھونڈا
مگر ایسا غنچہ نہ دیکھا، نہ پایا
یہ غنچہ بھی ہے، قند بھی، آگ بھی ہے
ہے شیرینی ایسی کہ مصری گھلی ہے
جو باور نہ آئے تو لو آزماؤ
مگر یہ فسونگر، فسوں ساز بھی ہیں
یہ پھولوں کے شعلے، یہ شعلوں کے غنچے
انھیں سے رگوں میں لہو دوڑتا ہے
یہ زندہ ہیں اور زندگی بیچتے ہیں
یہ روحِ رواں ہیں، یہ روح رواں ہیں

ذرا مرمریں نازنیں کو بھی دیکھو

بھلا نور کو کس نے سانچے میں ڈھالا!
وہ بالا جبیں نور سے جو بنی ہے
وہ آنکھیں حیا سے جو کچھ جھک رہی ہیں
کہ وہ آئینہ حسن کا دیکھتی ہے
وہ شفّاف، چکنے سے رخسار انور
جو لولوئے لالہ سے گویا بنے ہیں
وہ گردن، صراحی ہے، مینا ہے کیا ہے
وہ سینہ مصفّا، وہ دو قبّۂ نور
جو نرمی میں ریشم تو سختی میں پتّھر
وہ وادی، وہ میدان پھیلا ہوا سا
نظر جو پڑے تو ٹھہرنے نہ پائے
جو پھسلے تو پھر ٹھہرے پائے حسیں پر
سڈول اس کا جسم اور قامت وہ رعنا
وہ ہے شعلۂ طور گویا سراپا!
نگہ شوق سے دیکھتی ہے جو اس کو
تو پھر لوٹ آتی ہے مایوس ہو کر

نگاہوں میں مستی نہ مژگاں میں برچھی
نہ گالوں میں سرخی، نہ ہونٹوں پہ لالی
کرشمہ نہ عشوہ ، نہ ناز و ادا ہے
نہ چلتی، نہ پھرتی ، نہ کچھ بولتی ہے
نہ کہتی، نہ سنتی ہے دل کا فسانہ
تڑپ اس کے دل میں نہ جاں اس کے تن میں
وہ ہے ایک سرد اور بیجان قالب
وہ مرمر ہے ، حسنِ جواں وہ نہیں ہے
وہ جیتی ہے ، مرنا نہیں جانتی ہے!

یہ مرمر کی صورت میں کیسے تراشوں
جو نقّاش ہو اب وہ پتھّر سے الجھے
گلِ سنگ سے کیسے مَیں دل سجاؤں
ذرا دیکھو اس شوخ کافر ادا کو
جو گلگشت کرتی ہے گلزارِ جاں میں
نہ دیکھا تو دیکھو مرا سرو رعنا

خراماں خراماں خراماں خراماں
دکھاؤں تمہیں یہ سنہری گھٹائیں
یہ نازک، یہ باریک سونے کے بادل
یہ سونے کی لہریں ابھرتی ہوئی سی
یہ سونے کا کس بل، یہ سونے کا چم خم
یہ شوخی بھی دیکھو، شرارت بھی دیکھو
وہ سرمست بھی اور ہشیار بھی ہے
فسانے پڑھے ہیں محبّت کے اس نے
محبّت کو وہ زندگی جانتی ہے
وہ دل میں گھس آتی ہے قزّاق جیسے
یہ اوسان میرے، یہ ارمان میرے
مری یہ امیدیں، مری آرزوئیں
مری حسرتیں یوں وہ سب لوٹتی ہے
گرے خوان یغما پر اک ترک جیسے
جو گُر عشق کے ہیں وہ سب جانتی ہے
وہ ناز و ادا اور وہ شوخی وہ چھل بل

جو ملنا تو اس گرم جوشی سے ملنا
کہ جیسے وہ میری ہے، میری رہے گی
وہ پھر روٹھ جانا، وہ تیور چڑھانا
غضب سرد مہری سے پھر دل جلانا
گورنر بھی جھکتے ہیں سرکش ہے ایسی
ستارے بھی رُکتے ہیں دلکش ہے ایسی
کبھی شرم سے وہ حیا کی ہے پتلی
کبھی شوخ، بیباک، سفّاک بجلی
وہ چتون میں بجلی، وہ آنکھوں میں بجلی
وہ گالوں میں بجلی، وہ ہونٹوں پہ بجلی
وہ سینے ہیں بجلی کے جیسے خزانے
نہ پوچھو کہ یہ زیر ناف اس کے کیا ہے
یہ ہے برق خارا شگاف اب جو میرے
دل و ہوش و جاں پر گرا چاہتی ہے
مجسّم حقیقت، مجسّم فسانہ!

میں لفظوں کے جنجال سے بھاگتا ہوں
طلسموں کو رنگوں کے میں توڑتا ہوں
میں کیوں سخت پتھّر سے سر اپنا پھوڑوں
مری تنگ آغوش میں یہ غزل ہے
مرے خانۂ دل میں پیاری غزل ہے
مرا گلشن جاں غزل در غزل ہے
میں دل بیچتا ہوں، میں دل بیچتا ہوں
کوئی اپنے دامن میں اس کو اٹھالے
کوئی اپنی زلفوں میں اس کو چھپالے
کوئی ہے جو دل کو دل اپنا بنالے

جو میں نے سنائی یہ کیسی غزل ہے

(۵)

(۱)

یہہ مارِ سیاہ زلف دیکھو
سرگوشیاں مجھ سے کر رہا ہے
کہتا ہے کہ چھوڑ دو ایسی جنّت
جس میں ذوقِ نمو نہیں ہے
ارماں ہے یہاں نہ آرزو ہے
ہمّت ہے نہ فکر جستجو ہے
خاموش پڑے ہیں پردۂ ساز
دم توڑ رہا ہے شوق پرواز
دل کا، جاں کا زیاں ہے جنّت!

مانا کہ یہاں حسین چشمے
چاندی سونا بہار سے ہیں
نہروں میں دودھ کی ہیں موجیں
یہ شہد کے سوتے پھوٹتے ہیں
اس دودھ کو کون منہ لگائے
اس شہد کو کون آزمائے

دل کا، جاں کا زیاں ہے جنّت!

اشجار کی پلٹنیں کھڑی ہیں
رنگین پھلوں سے وہ لدی ہیں
سیمیں، زرّیں، زمرّدیں ہیں
کیا کیفِ نظر ہے، حظّ دل ہے!
کہتے ہیں کہ آؤ مجھ کو توڑو
کہتے ہیں کہ آؤ مجھ کو چکھّو
توڑے کون ان کو کون چکھّے

دل کا، جاں کا زیاں ہے جنّت!

یہ پھول ہیں رنگ و بو کے تارے
ساتوں رنگوں کے ہیں نظارے
وہ حسنِ گلاب کی ہے کثرت
کیا کیا لالے بکھر رہے ہیں
جوہی، بیلا، چنبیلی، کیسے
موتی کے ورق ہیں پھیلے پھیلے
پرچمِ نکہت کے اڑ رہے ہیں
سوسن کی زباں مگر ہے خاموش
نرگس کی آنکھ بھی جھکی ہے
ان پھولوں سے کون دل لگائے
دل کا، جاں کا زیاں ہے جنّت!

مانا کہ طیور ہیں خوش الحاں
کیسے ہیں یہ جوش میں غزل خواں
ان کی شیرینئ ترنّم
سے کیسی ہے شادکام یہ جاں

نغمے تو بہت ہیں یہ رسیلے
لیکن ان میں اثر کہاں ہے؟
ان میں خونِ جگر کہاں ہے؟
دل کا، جاں کا زیاں ہے جنّت!

(۲)

یہ مارِ سیاہ زلف میرا
کہتا ہے سمجھ کی آنکھیں کھولو
دیکھو جنّت ہے موت دل کی
ہر چیز ہے قائم اور دائم
دائم ہے بقا، فنا عدم ہے
قطروں کی زباں پکارتی ہے
ہے کوئی جو جزر و مد بدل دے
غنچے یہ اشارے کر رہے ہیں
ہے کوئی جو رنگ و بو بدل دے
طائر یہ گیت گا رہے ہیں

ہے کوئی جو زیر و بم بدل دے
کیسا قانون یہ اٹل ہے
پھولوں کو یہ حکم ہے کہ مہکو
چڑیوں کو یہ حکم ہے کہ چہکو
اشجار کو حکم ہے پھلے جاؤ
چشموں کو حکم ہے بہے جاؤ
کس کو ہے مجالِ عذر خواہی
بدلے کیسے کہ یہ ابد ہے
جو پھول ہے پھول ہے ہمیشہ
جو رنگ ہے رنگ ہے ہمیشہ
نغموں کا سرود ہے ہمیشہ
چشموں کا رود ہے ہمیشہ
مطلق نہیں وقت کو اجازت
اس بزم ابد میں بار پائے

اب وقت ہے وقت کامراں ہو

جھانکو تو قفس کی تیلیوں سے
ہنگامۂ ارتقا کو دیکھو
کیسا یہ شور مچ رہا ہے
ہے روپ کہیں، کہیں ہیولا
وہ روپ نے کیسا روپ بدلا!
دنیائیں عجب بنی ٹھنی ہیں
کیا کیا وہ سنگار کر رہی ہیں
پھر کیسے بگڑتی، مٹ رہی ہیں
کیسی کیسی بسیط موجیں
اٹھتی، گرتی، ابھر رہی ہیں
بڑھتی، ہٹتی، بکھر رہی ہیں
سمجھو نہ خلا کسی کا دل ہے
کیسے یہ دل دھڑک رہا ہے!
آؤ اس دل پہ ہاتھ رکھو
آؤ دھڑکن کو اس کی دیکھو

آؤ اس کا ابھرنا دیکھو
دیکھو اس کا سمٹنا دیکھو

اٹھو، جنّت سے آؤ نکلو
کیسی یہ دل کی جانکنی ہے!
سر ہیں کہ رکوع میں جھکے ہیں
سجدوں میں جبینیں بھی پڑی ہیں
تسبیح دوام روز و شب ہے
اک حمد دوام روز و شب ہے
کیا حبس دوام روز و شب ہے!
سوچو تو یہ کوئی زندگی ہے
اس میں کیا کوئی دلکشی ہے
یہ ٹھیک ہے یہ سکوں ہے کامل
آرام ہے دل کو، جاں کو آرام
آرام ہے صبح، شام آرام
آرام ازل، ابد بھی آرام

اک مرگ دوام ہے یہ آرام!

جنّت سے ذرا نکل کے دیکھو
ہمّت ہے تو ہمّت آزماؤ
جینا ہے تو چھوڑو اس سکوں کو
پوشیدہ قرار میں اجل ہے
خطروں سے مڑے تو زندگی کیا
مرنے سے ڈرے تو زندگی کیا
طوفاں سے ذرا الجھ کے دیکھو
موجوں کے تھپیڑے سہہ کے دیکھو
بندے ہو خدا تو بن کے دیکھو!

(۲)

اے مارِ سیاہِ زلف تو نے
کیسے جنجال میں پھنسایا

کیسی تھیں غضب کی تیری گھاتیں
میں سنتا اگر نہ تیری باتیں
تیری یہ زباں اگر نہ ڈستی
میری جنّت کبھی نہ چھٹتی

کیسی ناآشنا زمیں ہے
کیسی ہمّت ربا زمیں ہے
اونچے اونچے پہاڑ اس کے
رستوں پہ کھڑے ہیں راہ روکے
چوڑی چوڑی عمیق گھاٹی
امّید کا نقش ہے مٹاتی
کیسے کیسے مہیب جنگل
پھیلائے ہوئے ہیں اپنا چنگل
فطرت خونخوار ہورہی ہے
جاں کے دشمن ہیں یہ درندے
پھیلے ہیں بسیط دشت وصحرا

جن کا پر ہول ہے نظارہ
کیسے ذخّارِ بحر و قلزم
موجوں کا نشاں ہے عرش اعظم!
بادل کی گرج سے دل ہے لرزاں
بجلی کی کڑک سے جاں ہراساں
پرچم ظلمت کے چھا رہے ہیں
طوفاں ہیں کہ امڈے آ رہے ہیں

دشمن ہے شجر بھی اور حجر بھی
دشمن ہے سکوت بحر و بر بھی
دشمن ہے زمین و آسماں بھی
دشمن ہے مکان و لامکاں بھی
دن ہے فکرِ جواں کا دشمن
یہ رات ہے میری جاں کی دشمن
کیا کیا مجھ کو ستا رہی ہے
دل کی دھڑکن بڑھا رہی ہے

یہ موج صبا سلام خطرہ
جگنو کی چمک پیام خطرہ
سیل دریا خرام خطرہ
پتّوں کی کھڑک ہے دل کی دشمن
چڑیوں کی چہک ہے دل کی دشمن
اشجار سنبھالتے ہیں بھالے
پھولوں میں چھپے ہوئے ہیں کالے
سایوں میں نہنگ منہ پسارے
کیا دل پہ چلا رہے ہیں آرے
تلوار ہلال کھینچتا ہے
تارے بھی نیزے مارتے ہیں

اب کیا کروں میں، کدھر میں جاؤں
کیسے میں زمیں کو گھر بناؤں
پیاری کیسی تھی میری جنّت
کچھ فکر نہ تھی، نہ کوئی زحمت

کاہش تھی نہ محنت و مشقّت
خواہش بھی نہ تھی، نہ تھی ضرورت
خدشہ تھا نہ کوئی جستجو تھی
دھڑکا تھا نہ کوئی آرزو تھی
آرام تھا دل کو، تن کو آرام
اوّل آرام، آخر آرام

(۴)

کہتا ہے وہ مار زلف اٹّھو
ہمّت پہ اڑو، ہوا میں جھولو
جنّت کی یاد بھی بھلا دو
یہ زندگی اب گلے پڑی ہے
ہاں شاد ہے یہ دل کہ ناشاد
جینے سے فراغ اب کہاں ہے؟
جینا ہے تو زندگی سنوارو
اپنی جرأت کو آزماؤ

شاہین خودی ہو بال جنباں
اور شہپر فکر ہو پر افشاں
اب کوکب علم ضو فشاں ہو
اور رخش عمل رواں دواں ہو
یہ عقل ہے تیز ہوش دیکھو
یہ عشق ہے سرفروش دیکھو
جنگل میں سجاؤ اپنا گلشن
صحرا کو بناؤ اپنا خرمن
طوفاں جو اٹھے اسے بٹھا دو
بجلی جو گرے اسے اٹھالو
جوہر کے خزانے ڈھونڈ لاؤ
اور اپنی زمیں کو یوں سنوارو
جنّت جنّت نہ پھر پکارو

دنیائیں جو بے شمار ہیں یہ
جو ناز سے یوں مچل رہی ہیں

ان کو دیکھو، انہیں سنوارو
تو نور کی ان کے تیز کر دو
یہ چاند تو داغدار نکلا
کیسا یہ جگر فگار نکلا
اجڑا ہوا، بے سنگار نکلا
یہ منزل اوّلیں تھی، دیکھو
کتنی ابھی منزلیں پڑی ہیں
ہے راہ شمار جن کی مسدود
ہیں دور دراز کتنی راہیں
ہیں ہوش ربا یہ کیسی راہیں
اُٹھّو نئی منزلوں کو دیکھو
مجنوں بنو، محملوں کو دیکھو
بستی ہے کوئی کہ بس رہی ہے
سونی سونی کوئی پڑی ہے
کوئی ہے کہ جیتی جاگتی ہے
جاں سے کوئی گزر گئی ہے

اجڑی ہوئی ، بے بہار کوئی
صد رنگ ہے زرنگار کوئی
ظلمت سے کوئی ہے تیرہ داماں
کوئی زرتار ، نورافشاں

سوچو ، یہ صبح و شام سوچو
کیسے یہ بنی ہیں ، کیوں بنی ہیں
اور کون ہے یہ بنانے والا
کیسا یہ سحر سامری ہے
کیسا ہے طلسم ہوش فرسا
ہاں فکر و عمل ہوں اسم اعظم
پھر دیکھو طلسم ٹوٹتا ہے
سربستہ جو راز ہے ازل سے
وہ سرّ قدیم کھل رہا ہے
ادراک نہیں ہے عجز ادراک
سوچو تو یہ قول ماعرفناک

اب فہم کی کیسے انتہا ہو
اس کو سمجھے گا ہوش والا
اس کو دیکھے گا آنکھ والا
اس کو پائے گا عقل والا

(۵)

زندہ ہو تو آؤ مر کے دیکھو!
جس کو نہ اجل سے سابقہ ہو
وہ کیسے بقا کا راز سمجھے
دل جس کا نہ درد آشنا ہو
دکھ درد کی کیسے وہ دوا ہو
جس کی آنکھیں ابھی نہ وا ہوں
وہ اپنی خودی کو کیسے جانے

یہ سرّ عزیز ارتقا ہے
جس نے اس جال کو بنایا

وہ بھی اس جال میں پھنسا ہے
ہے کوئی زمین و آسماں میں
ہے کوئی مکان و لامکاں میں
سلجھائے جو اس کی زلف برہم
بتلائے جو اس کو سرِّ آدم

وہ آنکھ سے میری دیکھتا ہے
وہ دل میں مرے تڑپ رہا ہے
وہ میری روح میں سما کر
لو! اپنی خودی کو ڈھونڈتا ہے
مر مر کے وہ میرے جسم و جاں میں
اللہ! امر بنا ہوا ہے

○

(٦)

کیسا جادو ہے، جوانی ہے فسوں ساز کوئی

دیوتا دیکھو یہ آکاش سے اترا ہے ابھی

چال اس کی ہے کہ سرمست بھی، ہشیار بھی ہے

شیر کی شان کبھی اور کبھی چیتے کی لپک

اس کی آنکھوں سے برستے ہیں وہ برّاں نیزے

سنگ کو چیرتے ہیں اور دلِ آہن بھی

ایسی ان کی ہے حرارت کہ پگھل جاتا ہے

پھر یہ دل میرا جو شیشہ بھی ہے اور پھول بھی ہے

کیسا یہ نرم ہے، شفّاف ہے، نازک بھی ہے!

کیسے ان جلتے ہوئے نیزوں کو روکے ٹوکے

وہ شکاری ہے، یہاں بہرِ شکار آیا ہے
دل کا صیّاد ہے وہ، جان کا صیّاد ہے وہ
نرم و نازک سا یہ دل اور مری ننھّی سی یہ جاں
آہ! ارمانوں کے طائر، یہ امیدوں کے ہرن
مچھلیاں شوق کی جو شوخ بھی خوش رنگ بھی ہیں
اس کے داموں سے، کمندوں سے اور ان جالوں سے
کیسے بچ نکلیں، بھلا جائیں بچائیں کیسے

اس کے بچپن کا زمانہ مجھے لو! یاد آیا
بھولی بھالی سی تھی معصوم وہ صورت اس کی
اس کی پیاری سی جبیں، چاندنی جیسے ہو کھلی
اس کی آنکھیں تھیں غزالوں کی سی رعنا آنکھیں
جن میں طرّار غزالوں کی سی کچھ وحشت تھی
جو کہ سنسار کو، سنسار کی سب چیزوں کو
کبھی حیرت سے، تعجّب سے کبھی دیکھتی تھی

اس کے پھرتیلے بدن میں تھی ہرن کی پھرتی
کبھی وہ چوکڑی بھرتا تھا، کلیلیں کرتا
شوخ و شنگ اس کی وہ باتیں بھی تھیں پیاری پیاری
اس کی آواز میں بہتے ہنسے خوشی کے چشمے!

میں نہ سمجھی تھی کہ بچپن بھی جواں ہوگا کبھی
میں نہ سمجھی تھی نکھارے گا، نکھر جائے گا
کیمیا گر ہے جوانی مجھے معلوم نہ تھا
میں نے دیکھا جو اسے' یہ دل بیتاب مرا
ایسا تڑپا کہ میں سمجھی کہ یہ اب جاں سے گیا
میں نے یہ حسن' یہ رعنائی، یہ شان، ایسا جلال
خواب میں بھی نہ کبھی دیکھا تھا
اُف ری نخوت وہ جوانی کی، غضب کبر جمال
میرا دل اس نے نہ مانگا پہ دیا میں نے اسے
میرے دل میں جو وہ سوئی ہوئی امّیدیں تھیں
آرزوئیں وہ مری جو نہ کبھی نکلیں تھیں

وہ تمنّائیں جو برسوں سے تھیں دل میں محبوس
وہ مری بچھڑی جوانی کی لچکتی نظمیں
وہ میری بیتی بہاروں کی لہکتی غزلیں
آج پھر یاد مجھے آئیں اور آتی ہی گئیں
پھر مری آنکھوں میں چنگاری سی دیکھو چمکی
پھر مرے گالوں میں سرخی سی نئی دوڑ گئی
سُست رفتار مری سانسوں کی پھر تیز ہوئی
میرے دل کی جو بجھی آگ تھی وہ جاگ اٹھی
میری روح اٹھی اور آئی مری آنکھوں کے قریب
اور چلمن سے مژہ کی اسے تاکا جھانکا

اک نگاہ غلط انداز سے اس نے دیکھا
جیسے میں کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں
جیسے اس نے مرے ارمانوں کو دیکھا ہی نہیں
جیسے اس نذر محبّت کی بہا کچھ بھی نہیں
دل کی غزلوں کو مری اس نے نہ دیکھا نہ سنا

اُمّے میں اور محبّت کی یہ باتیں کس سے
جس کو میں نے انہیں گودوں میں کبھی پالا تھا
اس کے ان ننّھے سے ہاتھوں کو سہارا دے کر
میں نے چلنا کبھی سکھلایا تھا
لڑکھڑا کر جو وہ گرتا تھا اٹھا لیتی تھی میں
اور سینے سے لگا لیتی تھی
کبھی وہ روتا تو دل میرا تڑپ اٹھتا تھا
اس کی تکلیف مری جاں کے لئے نشتر تھی
لوریاں اس کو سناتی تھی کبھی
اور اسے جھولے جھلاتی تھی کبھی
اور کہانی بھی سناتی تھی کبھی

میں تو پاگل ہوں، یہ دیوانگی میری دیکھو
شرم ہے دل میں نہ آنکھوں میں حیا ہے میری
کیا کہے گی مجھے دنیا، مجھے کیا سمجھے گی

دل بیتاب کو اپنے مجھے سمجھانا ہے
میں کہاں اور محبّت مجھے کیا سوجھی ہے
پیار آتا ہے تو اس پیار کو دل میں رکھّو
ہاں خبردار نہ یہ پیار زباں پر آئے
راز کھل جائے تو رسوائی سی رسوائی ہے
کیا کہیں گے وہُ اور کیاُ وہُ مجھے سمجھیں گے
دولتِ دیں تو مرے ہاتھوں سے لو! جا ہی چکی
اب یہ دنیا بھی مجھے دُو سے گی، ٹھکرائے گی
سوچ تو اے دلِ ناداں یہ ہوا کیا تجھ کو
دل ناداں بھی کہیں سنتا ہے

میں ہوں دیوانی تو دیوانہ بنایا کس نے؟
جرم ہے یہ تو مجھے جرم سکھایا کس نے؟
عشق کے درد کی دنیا میں دوا کوئی نہیں
میں ہوں مشتاق، وہ مجھ سے ہے سراسر بیزار
یاالہی میں کدھر جاؤں، کروں کیا دل کو

لاکھ سمجھاتی ہوں پر وہ تو سمجھتا ہی نہیں
میری سنتا ہی نہیں، اپنی کہے جاتا ہے
عشق سے کوئی بھلا جیتا ہے
عشق کی آگ کہیں بجھتی ہے
عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

کیسے آرام سے دن میرے بسر ہوتے تھے
سانس کی آمد و شد میں تھا سکوں خوابیدہ
خوں کے چشمے تھے رگوں میں مری خواب آلودہ
دل کی دھڑکن بھی جو اٹھتی تھی تو سوئی سوئی
چین دن کو ہے، نہ ہے رات کو آرام مجھے
سانس ہے یہ کہ دہکتا ہوا انگارہ ہے
یہ رگیں ہیں جو مری شعلہ بہ پیراہن ہیں
آئے اس شوق کے طوفاں کو سنبھالے کوئی
آئے اس اٹھتی قیامت کو بٹھائے کوئی

آئے اس کوہ دماوند کو ٹھنڈا کر دے!

آخر اک روز اسے میں نے جو تنہا پایا
اپنے کمرے میں بہانے سے بلایا اس کو
اور پوچھا کہ کہاں رہتے ہو
گھر میں رہتے ہو تم ایسے کہ یہاں جیسے نہیں
میری مشتاق نگاہوں سے نہاں رہتے ہو
کیسے خوش رو ہو، یہ خوش وضع جواں کیسے ہو
سرو قامت ہو، سڈول ایسا بدن ہے گویا
آپ اللہ نے، لاریب، بنایا ہے تمہیں
گلشن حسن کے کیسے گل رعنا تم ہو
تم جواں سال، جواں دل ہو، جواں صورت ہو
اپنی سرشار جوانی کو نہ برباد کرو
ہاں، بتاؤ تو کبھی تم نے محبّت کی ہے
دل لگایا ہے کہیں، پیار کسی کو ہے کیا

الہے دیوانی ہوں کیا کہتی ہوں

جانے کتنے ہی حسین نے تمہیں چاہا ہوگا
دل دیا ہوگا تمہیں، پیار کیا ہوگا تمہیں
گل الفت سے جوانی کو سنوارا ہوگا!

کبھو بچپن کے وہ دن بھی کبھی یاد آتے ہیں
دوڑ کر مجھ سے کبھی تم جو لپٹ جاتے تھے
میں تمہیں جھک کے اٹھا لیتی تھی
بھولی باتوں پہ تمہاری مجھے پیار آتا تھا
پیاری باتوں پہ تمہیں پیار کیا کرتی تھی
اور اب ایسے جواں ہو، قد بالا تم کو
آج چاہو تو مجھے گود میں اپنی لے لو

جاتے ہو؟ بیٹھو، بھلا اتنی بھی جلدی کیا ہے
میری باتوں سے کبھو رنج ہوا کیا تم کو
سچ کہو مجھ سے خفا تو نہیں، بولو، ورنہ
اپنے منہ کو مری جانب سے یہ کیوں پھیرتے ہو

میری آنکھوں سے ذرا آنکھیں ملاؤ تو سہی
اور بولو مری آنکھوں میں جھلکتا کیا ہے
میری آنکھوں میں مرے دل کی تڑپ ہے دیکھو
دن کی بے چینی ہے اور رات کی بے خوابی ہے
حسرتیں بھی ہیں تمنّائیں بھی، امّیدیں بھی
تم نے ارمانوں کے پھولوں کو کبھی دیکھا ہے
آؤ ان پھولوں کا اک ہار پنھاؤں تم کو
تم سمجھتے ہو میں دیوانی ہوں، ہاں یوں ہی سہی
آؤ میں جوشِ جنوں اپنا دکھاؤں تم کو
آؤ جلتے ہوئے ہونٹوں سے تمہیں پیار کروں
آؤ جلتے ہوئے سینے سے لگا لوں تم کو
آؤ دیوانگیٔ عشق کا اثبات کروں!

بولو کیوں چپ ہو کھنچے جاتے ہو، گھبراتے ہو
کیوں تعجّب کی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہو
عشق کا نام کبھی تم نے سُنا ہے کہ نہیں

تم نے افسانہ محبّت کا پڑھا ہے کہ نہیں
میں نہ مانوں گی کبھی، لاکھ تم انکار کرو
تم بھلا عشق کی تلوار سے بیگانہ رہو
تم بھلا عشق کی للکار سے بیگانہ رہو
دل لگایا بھی ہے اور تم نے محبّت کی ہے

یوں حقارت کی نظر سے تو نہ دیکھو اللہ!
کیسی بے شرم ہوں میں، کیسی گنہگار ہوں میں
پاپ ہے دل میں مرے، پاپ ہے آنکھوں میں ی
پاپ ہے خوں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا!

ہاں میں بے شرم ہوں، اظہار محبّت کو اگر
تم سمجھتے ہو کہ بے شرمی ہے
میں گنہگار اگر اقرار محبّت ہے گناہ
یہ محبّت ہی سے دنیا کی گھڑی چلتی ہے

میں نے چاہا جو تمہیں اس میں مرا دوش نہیں
میں تھی مجبور، مرا دل تھا سراسر مجبور
آپ ہی تم دلِ ویراں میں مرے در آئے
یہ مقفّل تھے کواڑ، ان کو تمہیں نے توڑا
عشق سفّاک ہے، سفّاک سے بچتا ہے کوئی
نذر کرتی ہوں یہ دل، تم اسے ٹھکراتے ہو
کیسا نازک ہے یہ شیشہ، اسے کیوں توڑتے ہو
منّتیں کرتی ہوں ہاں دیکھو نہ مایوس کرو
آؤ اکبار تو سینے سے لگا لو مجھ کو
آؤ ہونٹوں سے مرے ہونٹ ملاؤ تو ذرا
آؤ اس شمعِ محبّت کو فروزاں کر دو!

دیکھو کیوں چُپ ہو، یہ کیوں مڑتے ہو کیا کرتے ہو
مان لو میرا کہا ورنہ میں کہہ دوں گی انھیں
تم مرے خواب کے کمرے میں چلے آئے تھے
تم نے بیباکی سے الفت تھی جتائی کیا کیا

میں نے سمجھایا مگر تم نے مری کچھ نہ سنی
تم نے اصرار کیا، کس قدر اصرار کیا
میں نہ مانی تو غضب زور زبردستی کی
تم نے گردن میں مری اپنی یہ باہیں ڈالیں
ہونٹوں سے ہونٹ ملے سینے سے پھر سینہ ملا
اور بدمستی میں محرم بھی مرا چاک ہوا

دیکھو سمجھاتی ہوں تم کو، مرا کہنا مانو
آج کی رات مری جان سنو آج کی رات
دونوں آنکھیں گتھیں اک تارِ نظر کی صورت
سانسوں میں سانسیں ملیں شیر و شکر کی صورت
دونوں دل رقص کریں رقصِ شرر کی صورت
دونوں جسم ایسے ملیں جیسے دوئی تھی ہی نہیں

ہائے کمبخت ٹھہر دیکھ کہاں جاتا ہے
مجھ سے بھاگے گا کہاں۔ وہ نہ رکا پر نہ رکا

کیا کروں اب میں الٰہی اسے کیسے پاؤں
میں نے اظہار محبّت جو نہ کرنا تھا کیا
اس نے پر اس دل مجبور کی کچھ قدر نہ کی

ناز ہے حسن پر اپنے جو اسے ہونے دو
غرّہ ہے اپنی جوانی کا اسے ہونے دو
پارسائی کا جو ہے بھوت چڑھا چڑھنے دو
آنے دو تو اُنھیں، میں اس کو چکھاتی ہوں مزہ
دیکھنا زعم جوانی کا نتیجہ کیا ہے
آگئے وہ ؟ میں چلی اُن سے میں کہتی ہوں ابھی
کیسی کیسی مرے ساتھ اس نے سیہ مستی کی
چاک محرم کو کیا، کپڑوں کو میرے پھاڑا
اور مرے قفل کو بیدردی سے اس نے توڑا
اس کا خوں اب نہ کروں میں تو مرا نام نہیں
دیکھو میں کھیلتی ہوں خون سے ہولی کیا کیا

صحن میں خون کے چشمے یہ ابلتے کیوں ہیں
در و دیوار سے یہ خون ٹپکتا کیوں ہے
اب چمن خون کے پھولوں سے مہکتا کیوں ہے
میرا خنجر، مرے ہاتھ اور یہ میرے کپڑے
کس کے خوش رنگ لہو سے ہوئے خون آلودہ
خون ہے دل میں مرے، خون ہے آنکھوں میں مری
بہتے دریا بھی ہیں سرخ، اڑتے ہوئے ابر بھی سرخ
آسماں سرخ، زمیں سرخ، ستارے بھی ہیں سرخ
خون کی سیل بپھرتی ہے، جدھر دیکھتی ہوں!

○

۷

کہتے ہیں وہ کہ آپ بھی کتنے حسین ہیں!

زلفیں وہ مشک ناب سی، چہرہ وہ چاند سا
غازے کا وہ غبار، وہ موتی کی آب تاب
صبح جبیں پہ لال ستارے کا وہ ظہور
دیکھے تو غش کرے اَرِنی گوئے اوجِ طور
مژگاں سے جھانکتی ہیں وہ دزدیدہ پتلیاں
چلمن سے کوئی شوخ ہو جیسے تماشہ بیں

وہ نازنیں ہیں، ان کی ادائیں ہیں نازنیں

آئے جو ناز سے تو وہ بیٹھے بھی ناز سے
لب پر وہ ان کے آیا تبسّم بھی ناز سے
اور حرفِ گفتگو بھی جو نکلا تو ناز سے

کہتے ہیں وہ کہ آپ بھی کتنے حسین ہیں
کیسا وقار، کیسی نرالی یہ شان ہے
سنجیدگی ہے، کیسی متانت ہے، آن ہے
کیا طرزِ گفتگو ہے، شگفتہ زبان ہے

میں اور حسن کس کی ہے یہ کیمیا گری
یہ کیمیا گری ہے کہ لفظوں کی ساحری
یہ بال سر پہ ہیں کہ یہ ہے سیمگوں سا جال
چہرے پہ جھرّیوں کا بھی پھیلا ہوا ہے جال
اور جسم میں یہ ٹوٹ رہے ہیں رگوں کے جال
آنکھوں میں نور ہے، نہ جگر میں سرور ہے
میری خودی کا شیشہ بھی اب چُور چُور ہے

پیکِ نظر کی چال ہے دیکھو تھمی تھمی
اب موجِ خوں رگوں میں ہے بہتی رکی رکی
دل سینہ میں دھڑکتا ہے جیسے کبھی کبھی
اب زندگی کی آگ ہے جاں میں بجھی بجھی
دل بھی نحیف، جان بھی زار و نحیف ہے
جو ولولہ تھا اب وہی ضعفِ ضعیف ہے
امّیدیں ہیں شکستہ، امنگیں ہیں سرنگوں
اٹھّیں تو سر گرانی انہیں بارِ دوش ہے
جاں میں وہ روگ ہے کہ خدا بھی خموش ہے
تاریک شب ہے، صبحِ اجل بھی قریب ہے

آنکھیں ہیں بند، دل کی ہیں آنکھیں کھلی ہوئیں
اور سامنے ہے پردۂ سیمیں کھنچا ہوا
دیکھو وہ کون شوخ ہے، مستِ شباب ہے
بوٹا سا قد وہ اس کا قیامت کا باب ہے
وہ رنگِ رُخ کہ تازہ گلِ ماہتاب ہے

زلفیں ہیں وہ کہ ہالہ ہے گردِ آفتاب کے
اُبھرے ہوئے بدن میں فسوں ہیں شباب کے
دیکھو وہ اس کے ہاتھ میں کیسا رباب ہے
موسیقیٔ جواں کا یہ بیدار خواب ہے
ہاتھوں میں گیت، آنکھوں میں گیت اور لبوں پہ گیت
دل میں ابلتا، جاں میں مچلتا ہے رقصِ زیست
آنکھیں بھی مہرباں ہیں، وہ دل بھی ہے مہرباں
ناز و غرور، جور و ستم کا گزر کہاں
اک وہ جو مہرباں ہو تو عالم ہو مہرباں
اور یوں نہ ہو بلا سے کوئی مہرباں نہ ہو!

گرمِ سخن وہ مجھ سے ہیں، اللہ رے اوجِ بخت
کہتے ہیں وہ کہ آپ بھی کتنے حسین ہیں
میں بھی جواں تھا اور یہ دل بھی جوان تھا
دل میں بہارِ حسن کا رنگیں نشان تھا
گرمی بھی خوں میں اور امنگوں میں لہر بھی

نیلی فضا میں جیسے چمک جائے برق سی
لیکن حریم دل کے مقفّل پڑے تھے در
اُن کو اُدھر حجاب، اِدھر زعمِ اتّقا
ہونٹوں سے ہونٹ ملنے نہ پائے چلے گئے
دل میں مرے ٹھہرنے نہ پائے چلے گئے

ہے کون اب یہ پردۂ سیمیں پہ جلوہ گر
نظروں سے تیر چلتے ہیں، سینہ ہے جوں سپر
قد ہے کہ کوئی سروِ خراماں چمن میں ہے
سنبل کی جو کلاہ ہے سر پر دھرے ہوئے
آنکھوں میں شعر اور زباں پر ہے فلسفہ
دل کا صحیفہ حسن و محبّت کی داستاں
لب پر رموزِ علم و ادب ہیں گہر فشاں
اس کی بیاضِ فکر تصوّف کی ہے ازداں
وہ شعر بھی ہے اور ہے شعر و غزل کی جاں
شاعر کی جاں کہو اسے حسنِ ازل کی جاں

یہ بول ہیں کہ چشمہ ہے آبِ حیات کا
کیسا ہے لہلہاتا چمن حُسنِ ذات کا
دیکھے جو میرے شعر تو مجھ سے لپٹ گئے
کہنے لگے کہ آپ بھی کتنے حسین ہیں
دل بھی حسین، فکر بھی کیسی حسین ہے
تخئیل بھی حسین، زباں بھی حسین ہے
جذبات بھی حسین، بیاں بھی حسین ہے
ہر شعر بلکہ شعر کا مصرع حسین ہے
پھر پڑھیے، یہ غزل تو سراپا حسین ہے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے اشتہار نے رسوا کیا مجھے
شعر و غزل جو دل کے بنے تھے پیام بر
پیغام لائے آج وہ آئیں گے میرے گھر
آئے وہ اور دل میں اُجالا بھی کر گئے
لیکن مرے شعور میں الجھی تھیں گتھیاں

لاکھوں جتن کئے، مرے کھولے نہ کھل سکیں
کم بخت دل نے شرم کا دامن پکڑ لیا
ہونٹوں سے ہونٹ آئے، ملے اور چلے گئے
دل میں مرے وہ بیٹھے، کوئی دم چلے گئے

ہے کون اب یہ پردۂ سیمیں پہ جلوہ گر
کیا کیا خرام ناز سے اٹھتا ہے شور و شر
آنکھیں غزال کی سی ہیں، پھرتی ہرن کی ہے
طرار ہے وہ تیز ہے، وہ شوخ و شنگ ہے
انداز ناز و غمزہ رم بے درنگ ہے
مطرب ہے، نے نواز ہے وہ نغمہ ساز ہے
یہ قصر جاں بھی باز، درِ دل بھی باز ہے
اس کے گلوئے صاف سے نغمے اُبلتے ہیں
دل میں اترتے ہیں، مری جاں میں اترتے ہیں
نغمہ ہے یہ کہ شعلوں کا سیلاب ہے رواں
جس سے بچی نہ بچ سکے دنیائے انس و جاں

بلبل سنے تو پھول کو پھر دل سے بھول جائے
پروانہ شمع بزم محبّت کو بھول جائے
وحش و طیور مست ہیں جنگل میں جھاڑ میں
دیکھو وہ شیر جھوم رہے ہیں کچھار میں!

مسعود وہ گھڑی تھی، وہ ساعت تھی خوش نصیب
آئے اور آکے بیٹھ گئے وہ مرے قریب
ہاتھوں کو میرے نرمی سے ہاتھوں میں لے لیا
آنکھوں کو میری اپنے کنول سے جلا دیا
میری نظر میں کتنے ستارے گزر گئے
کتنے وہ چاند، کتنے وہ سورج گزر گئے

کہتے ہیں وہ کہ آپ بھی کتنے حسین ہیں
اللہ کیا ذہین ہیں، کیسے فطین ہیں
یہ عمر اور علم کے حصن حصین ہیں
سنجیدگی کا باب ہیں، حبل المتین ہیں

یہ ہاتھ آپ کے ہیں کہ ہے شاخ صندلیں
پتلی سی یہ کلائی کہ ہے برگ مرمریں
یہ انگلیاں ہیں جیسے نزاکت کی پتلیاں
جنبش ہے کیا لطیف کہ جیسے چلے زباں

آنکھوں میں اس کی جلنے لگیں اودی بجلیاں
رخسار میں چمکنے لگیں لال بجلیاں
ہونٹوں پہ کسی نے ہیں کے دھر دی تھیں بجلیاں
ہونٹوں پہ ہونٹ آئے کہ بجلی لپٹ گئی
ہونٹوں سے پھر جو دل میں وہ بجلی اتر گئی
دھڑکن بڑھی وہ دل کی ستاروں سے جا ملی
ایسی رگوں میں آتش سیّال بہہ گئی
دل بھی جلا، جگر بھی جلا، جاں بھی جل گئی

اللہ کیا ہوا مری آنکھیں بھی جل گئیں
یہ چلتی پھرتی صورتیں کیسے پگھل گئیں

تاریک شب ہے، پردۂ ظلمت ہے تار تار
دل کو سکوں ہے اب نہ مری جاں میں ہے قرار
ہے ہے وہ میری آنکھوں کے تارے کدھر گئے
آئے وہ دل میں، چمکے، چمک کر بکھر گئے

کہتے ہیں وہ کہ آپ بھی کتنے حسین ہیں!

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ
دل سوزش درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے، سارا جگر ہے داغ
دشمن ہیں دوست، دوست ہیں دشمن بنے ہوئے
اپنے پرائے خنجر کیں ہیں لئے ہوئے
خنجر کھلے ہیں تو نشتر چھپے چھپے
تیر و تفنگ چلتے ہیں لیکن رکے رکے
دل مضمحل ہے اور قویٰ بھی ہیں مضمحل
مرنے سے بھی سوا مرا جینا ہے جانگسل

کس کو سناؤں، کون سنے حالِ سوزِ دل
نغمے خموش، ٹوٹے پڑے ہیں یہ سازِ دل

ہاں اس قلم میں زور ہے، منہ میں زبان ہے
میری زبان دل کی مرے ترجمان ہے
منظور دل کا شاید انھیں امتحان ہے
کہتے ہیں وہ کہ آپ کی پیاری زبان ہے!

○

۸

(۱)

دنیا کو چھوڑو یہ بزمِ غم ہے
سوزِ جگر ہے، شمعِ الم ہے
ارماں کے شیشے خالی پڑے ہیں
افسوس و حرماں خُم بھر رہے ہیں
آئینہ حیرت دکھلا رہی ہے
تلوار حسرت چمکا رہی ہے
مرنا بھی مشکل، جینا بھی مشکل
کیسی کٹھن ہے یہ دل کی منزل
اک سعی پیہم، اِک فکر پیہم
اُٹھتا ہے ہر دم شورِ دمادم

محنت کا پرچم لہرا رہا ہے
جوشِ عمل بھی بل کھا رہا ہے
دن ہے مشقّت، شب ہے مصیبت
کیسی تھکاوٹ، کیسی ہے زحمت
لب پر تبسّم، دل میں عداوت
ظاہر میں الفت، باطن میں نفرت
ہر بول نفرت، ہر چال نفرت
لو سانس لینی بھی ہے اذیّت
دل کا کنول بھی کھلنے نہ پائے
قندیل جاں کی جلنے نہ پائے
الجھی ہے کس کی یہ زلف پُرخم
شانہ شکستہ، آئینہ برہم

اب آؤ ایسی بستی بسائیں
جنّت کی جس میں نکھریں بہاریں
سبزوں پہ چمکے موتی سی شبنم

سورج کی کرنیں جیسے ہو ریشم
ٹھنڈی ہوائیں آئیں ہمیشہ
خوش رنگ بادل چھائیں ہمیشہ
چشمے ہمیشہ کچھ گنگنائیں
طائر ہمیشہ دھومیں مچائیں
پانی کی بوندیں موتی بنائیں
پتے زمرّد اپنا دکھائیں
شب وہ جلا جس تارے نکالے
اور چاند سیمیں چادر بچھائے
پھول اپنی رنگیں محفل سجائیں
جگنو بھی اپنی شمعیں جلائیں
پنکھا جھلیں یہ ٹھنڈی ہوائیں
اور خواب زرّیں دل میں سمائیں
آؤ خوشی کے نغمے بہائیں
تم گیت گاؤ ، ہم گیت گائیں

(۲)

چلو درختوں کے سایہ میں کوئی دم بیٹھیں
وہ سبز ریشمی سبزہ بھی بچھ رہا ہے وہاں
یہ سایہ ہے کہ کوئی نرم فرش مخمل ہے
یہ سبزے اور یہ سائے اشارہ کرتے ہیں
کہ آؤ بیٹھو یہاں لیٹو، یہ فضا دیکھو
سکون شوق بھی، آرام جاں بھی دیتی ہے

یہ زندگی ہے کہ کیف و نشاط کا اک ڈھیر
یہ نکہتوں کا ترشّح، لطافتوں کا غبار
یہ ریل پیل ترنّم کی، رنگ کا انبار
نظر نظر میں ہے جنّت، چمن چمن فردوس

وہ دیکھو سامنے پھولوں کی بزم سجتی ہے
کسی طرف ہے سمن زار سیمگوں کا نکھار
کہ موتیوں نے یہ پھولوں کا روپ دھارا ہے

یہ موتیا، یہ چنبیلی، یہ ناز بو دیکھو
شمیم شوق میں جیسے نہار رہا ہے کوئی
ابھر رہے ہیں ادھر زرد زرد وہ گیندے
لہک رہے ہیں جو لالے تو ارغواں بھی ہیں خوش

وہ عشق پیچہ دکھاتا ہے پیچ و خم اپنا
لپٹ رہا ہے کسی سے، اٹک رہا ہے کہیں
وہ لال لال نگینے سے کیا دمکتے ہیں
یہ ننھّے ننھّے سے من ہیں بڑے دہکتے ہیں
وہ دست شوق جو اپنا دراز کرتا ہے
کسی کی زلف مسلسل سے چھیڑ کرتا ہے
کسی کے روئے مصفّا کو پیار کرتا ہے
وہ کس کی گردن نازک سے دیکھو جا لپٹا
وہ کس کے مرمریں سینہ پہ دیکھو جا مچلا
یہ ڈولنا، یہ سسرنا، یہ ڈگمگا جانا
یہ مار سبز کا ہے رقص ہاں سنبھل جانا

گلاب کی وہ الگ بزم رنگ سجتی ہے
یہ دیکھو جلوۂ نکہت ہے کیسا بوقلموں
کہیں ہے زردئ رخسار عاشق محزوں
کہیں ہے سرخئ خون جگر سے رنگ افزوں
یہ کس نے دھانی نقاب اپنے منہ پہ ڈالی ہے
وہ نقرئی سی جھلکتی ہے، وہ ہے عنّابی
نکھر رہے ہیں گلابی میں کیسے کیسے رنگ
کبھی کبود، گلابی کبھی ہے نارنجی
نئی شمیم دھری ہے نئے پیالوں میں
نئی ہے نوک پلک اور نئی ہے زیبائی
نئے نئے ہیں یہ ہر آن ساز جلوہ گری
یہی ہے وحدت وکثرت کا راز جلوہ گری

یہ اک کلی ہے ذرا غور سے اسے دیکھو
ورق ورق ہے کہ آئینہ روئے باقی کا

زبان لو پہ قصیدہ ہے حسن ساقی کا
یہ رنگ ایسا کہ تارِ نظر بھی رنگیں ہو
یہ نرم نرم لطافت کہاں ہے ابریشم
یہ کیسی نکہت شیریں کہ جاں معطّر ہے
تبسّم لب نازک میں موجِ مستی ہے
کلی نہیں ہے، مچلتی سی جانِ ہستی ہے
یہ حسن کاری ہے کیسی، یہ کس کی صنّاعی
بناوٹ ایسی - یہ کس ہاتھ نے بنائی ہے
سجاوٹ ایسی کہاں دیکھنے میں آئی ہے
جو کھب کے آنکھوں میں دل میں اترتی جاتی ہے
نگاہ ناز میں کیا شان بے نیازی ہے
جو سمجھو تم تو یہی رازِ کبریائی ہے
یہی ہے جلوۂ حسن ازل کی برنائی
اسی میں پلتی ہے خواب ابد کی رعنائی
کلی نہیں، یہ ہے کون و مکاں کا آئینہ
مکاں کے چہرے میں ہے لا مکاں کا آئینہ

وہ جھنڈ جھنڈ درختوں کے، پودوں کی وہ قطار
جو ڈال ڈال ہری ہے تو پات پات ہے سبز
ثمر ہیں شاخ ثمر دار میں جواہر کے
کہیں ہیں لعل، زمرّد کہیں، کہیں گوہر
وہ سیم و زر کے خزانے لٹا رہا ہے کوئی
نمود صنعت معبود ہے جدھر دیکھو
یہ ہاتھ آپ ہی آپ اس طرف جو بڑھتے ہیں
یہ کس کے سینۂ پر کیف سے الجھتے ہیں
یہ شاخیں بوجھ سے دبتی ہیں اس طرح گویا
وہ کہہ رہی ہیں کہ لو توڑو، لو انھیں چکھّو
خوش آب بھی ہیں، خوش اندام بھی یہ کیسے ہیں
یہ رنگ روپ کہ آنکھوں میں تازگی آئے
وہ اپنے رس بھرے ہونٹوں سے چومتے ہیں تمہیں
بہشت میں بھی ثمر ایسا تم نے دیکھا ہے؟
شراب ناب بھری ہے کسی گلابی میں

وہ جام شہد لیے مسکرا رہا ہے کوئی
وہ سلسبیل لطافت بہا رہا ہے کوئی

ذرا اٹھاؤ نظر آؤ دیکھو ساحل کو
وہ نرم ریگ ہے، چادر ہے گویا اطلس کی
چمک رہی ہے وہ ریشم سی دھوپ میں کیسی
جھلک وہ پنّے کی دیکھو، دمک وہ سونے کی
فروغ رنگ ہے، رنگیں سی ہو دھنک جیسے

وہ سوئی سوئی سی موجیں خمار آلودہ
جو اٹھتی ہیں تو وہیں بیٹھتی ہیں دم لینے
وہ لڑکھڑاتی ہیں کیسا خرام ناز ہے یہ
کہ جیسے کوئی حسیں صبحدم وصال کے بعد
لجا لجا کے چلے اور قدم قدم پہ رکے
وہ تکتی رہتی ہیں ساحل کو چشم حسرت سے
تھکی تھکی سی وہ نظریں، رکا رکا سا خرام

اٹھیں تو اُٹھ نہ سکیں بارِ سرگرانی سے
چلیں تو چل نہ سکیں زورِ ناتوانی سے
پہنچ کے بھی لبِ ساحل پہنچ نہیں پاتیں
وہ آئی منزلِ مقصود، وہ اجل آئی!

وہ دیکھو جیسے سمندر بھی سو رہا ہے ابھی
سکوں کی نیند ہے جیسے ہو طفلِ بے پروا
وہ سینہ اس کا ابھرتا ہے پھر سمٹتا ہے
کہ مستِ ناز کوئی خوابِ ناز کرتا ہے

فلک پہ دیکھو نگارِ شفق کی رنگینی
جو اپنے جسم کو رنگوں سے ہے سجائے ہوئے
یہ لال لال دوپٹہ، یہ کاسنی شلوار
یہ ہے قمیص کہ قوسِ قزح کے ساتوں رنگ
غبارِ رنگ سے رخسارِ ناز گلگوں ہے
وہ اُٹھ کے دیکھو چمن میں خرام کرتی ہے

وہ رنگ رنگ کے پھولوں سے چھیڑ کرتی ہے
کہیں کنول ہیں کھلے، لالے مسکراتے ہیں
یہ اودی اودی لطافت، یہ بھینی بھینی شمیم
وہ ارغواں کا ہے جادو، یہ زعفراں کا فسوں

وہ دیکھو ایک ستارہ فلک پہ آ جھلکا
ستارہ ہے کہ کوئی جھانکتا ہے چلمن سے
نگاہ ناز کسی کی اشارے کرتی ہے
وہ کہتی ہے کہ اٹھو آؤ بام گردوں پر
یہ بزم نور یہاں دیکھو سج رہی ہے ابھی
یہ کیسے ساز ہیں۔ فردوس گوش نغمے ہیں
یہ کیسے رقص ہیں۔ جنّت نگاہ مہوش ہیں
جو کان ہوں تو سنو ان کے آتشیں نغمے
جو آنکھیں ہوں تو ذرا رقص شعلہ زاد دیکھو
لپک جھپک ہے یہ آتش کی، نور کی چھم چھم
یہ دیکھو بیٹھے ہیں کیسے بھبھوکے محفل میں

وہ دیکھو کیسی قیامت اٹھا رہا ہے کوئی
سنو یہ نغمے چھلکتے ہیں جام گردوں سے
یہ رقص کی ہے چھما چھم بساط گردوں پر
مکاں بھی رقص میں ہے، لامکاں بھی رقص میں ہے!

دکھاؤ حُسن کو آئینہ یہ بھی خدمت ہے

یہ بزم نور بھی دیکھی، یہ رقص بھی دیکھے
یہ کیسے نغمے ہیں، دل کو لبھائے جاتے ہیں
یہ کیسے رقص ہیں دل کو رجھائے جاتے ہیں
اب آؤ اٹھّو کہ رات آدھی آگئی سر پر
چلو وہ سیج ہے پھولوں کی منتظر کب سے
وہ کہہ رہی ہے: مری جان مجھ سے مت روٹھو
اب آؤ بستر نکہت پہ کوئی دم لیٹو
اب آؤ خواب کی زلفوں سے کوئی دم کھیلو
اب آؤ چھوڑ دو وہ اندیشہ ہائے دور و دراز

اب آؤ دیکھو یہ آرائشِ خم کاکل
خودی سے دیکھو ابھرتی ہے خود فراموشی
خودی کی نیند ہے یہ بیخودی کی بیداری

(۳)

یہ زندگی ہے کیسی سہانی
نکھری ہوئی ہے کس کی جوانی
کیسی سجی ہے، کیسی سجیلی
کیسی رنگیلی، کیسی نشیلی
آنکھوں میں نشّہ، چتون میں مستی
وہ بات بہکی، وہ گات سنبھلی
ہر بول مستی، ہر چال مستی
ہر بات مستی، ہر ڈال مستی
گل کی گلابی مے سے بھری ہے
لالے کی رنگیں مینا دھری ہے
تاروں کی کرنیں اک موج بادہ

سورج کا خم ہے اک بحرِ صہبا
چشموں میں جھلمل سے ہے جھلکتی
بادل سے ٹپ ٹپ سے ہے ٹپکتی
اک نغمۂ بیہم، اک رقصِ پیہم
آوازۂ کیف اٹھتا ہے ہر دم
وہ رنگ و بو کا ساقی کھڑا ہے
تارِ نظر میں دل باندھتا ہے
آنکھوں سے نکلا، دل میں سمایا
دل لہلہایا، دل لہلہایا!
ہر دم ہنسی ہے، ہر دم خوشی ہے
کیا زندگی ہے، کیا زندگی ہے
کیا عیش عریاں، کیف نہاں ہے
آرام دل ہے، آرام جاں ہے
ظاہر سکوں ہے، باطن سکوں ہے
اوّل سکوں ہے، آخر سکوں ہے

کیسی حسیں ہے، کیسی سہانی
دل کی کہانی، گل کی زبانی

(۹)

یہ کون دیکھو تو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے؟

سیاہ رات کے دامن میں پھیلے پھیلے ہوئے
سیاہ ابر میں تارے ہیں مُنہ چھپائے ہوئے
سیاہ رات ہے، تنہائیاں ہیں اور میں ہوں

ہوائیں آج یہ کیا شور و غل مچاتی ہیں
ڈکارتی ہیں، گرجتی ہیں، دندناتی ہیں
یہ ابر و رعد کے کڑکے، یہ برق وش طوفاں
یہ زلزلے ہیں فضا میں، فضا لرزتی ہے

مرے خیال کی پہنائیاں ہیں اور میں ہوں

یہ کیسی بیتی بہاریں نظر میں پھرتی ہیں
یہ بزم دل ہے مری لو! سجی سجی کیسی
لبوں کے ساز سے نغمے ابلتے ہیں کیا کیا
بساط دل پہ یہ گھنگھرو جھنکتے ہیں کیا کیا
مرا وہ ساقی مہوش، وہ ساغر رنگیں
وہ مے چھلکتی ہوئی، مستیاں لٹاتی ہوئی
وہ خندۂ لبِ گل اور وہ قلقلِ مینا

یہ کون دیکھو تو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے؟
وہ کوئی ہو، میں درِ دل کبھی نہ کھولوں گا
جھروکے بند ہیں، دروازوں میں ہیں قفل پڑے
یہ اونچی اونچی سی دیواریں کون پھاندے گا

مرا یہ ساقی مہوش ہے شعلۂ رخشاں

یہ رقصِ ناز ہے اس کا کہ مستیٔ رقصاں
یہ نغموں کا ہے تلاطم کہ لرزشِ بادہ
اداؤں کی ہے یہ چھم چھم کہ مے کی بوندیں ہیں
وہ پتلیاں جو جھپک کر جھمک دکھاتی ہیں
تو شمع ہنستی ہے تو اس کی تھرتھراتی ہے
مچلتے ہیں جو تبسم ستارے ناچتے ہیں

یکایک آہ! یہ تاریکی چھا گئی کیسی
جو تار تار نظر ہے، خیال ہے تاریک
چراغِ دل بھی بناتا ہے ظلمتیں کیا کیا
سنو یہ در پہ مرے پھر یہ کس کی دستک ہے
مرے کواڑوں کو یہ کون آج کھولتا ہے
جو دیکھا تند ہوائیں ہیں اور کوئی نہیں
جو کھڑکیوں کو مری آکے آج کھولتی ہیں
جو بار بار یہ چوکھٹ پہ سر پٹکتی ہیں
مجال ہے یہ بھلا ان ہوا کے جھونکوں کی

مجال ہے یہ بھلا تیز و تند طوفاں کی
مرے دروں کو جو کھولے، جو کھڑکیاں توڑے

مرے خیالوں کا طوفان ہے مرے دل میں
برس رہی ہیں خیالوں کی بارشیں کیا کیا
تڑپ رہی ہیں یہ یادوں کی بجلیاں کیا کیا
یہ شمع حسن کی نازک ادائیاں دیکھو
وہ برق عشق کی شعلہ فشانیاں دیکھو
یہ خوں کے چشمے ابلتے ہیں کیسے دیکھو تو
لہو کی موجیں خروشاں ہیں کیسی دیکھو تو
یہ پھول دیکھو تو کیا خون دل سے لال ہوا
یہ عطر سونگھو تو اس میں لہو کی خوشبو ہے
بتاؤ خون سے رنگیں ہیں کیوں در و دیوار

کہاں کا خون یہ خواب و خیال ہے کیا ہے
یہ وہم ہے کہ فریب نظر کا دھوکا ہے

سنو سنو یہ مرے در پہ کس کی دستک ہے
نہ برق و رعد ہیں اب اور نہ شورِ طوفاں ہے
یہ تیز و تند ہوائیں ہیں اب سکون در دل
چلو تو دیکھیں یہ مہمان کون آیا ہے
کہاں گیا مرا مہماں، کدھر ہے دشمنِ جاں
شبِ سیاہ، یہ سونی سڑک کا سنّاٹا!
خموشی بولی: یہ شہرِ خموشاں میرا ہے
وہی ہے ظلمتِ شب، پھر وہی ہے ظلمتِ دل!

وہ کھڑکیوں سے یہ اللہ! کون جھانکتا ہے
یہ کون ہے جو مجھے آہ! گھورے جاتا ہے
یہ حلقے چشم کے ہیں ــ آہ کیا ہوئیں آنکھیں
یہ کیسے حلقے ہیں، یہ ہڈّیوں کے حلقے ہیں
نہ پُتلیاں ہیں، نہ تارِ نظر ہے، کچھ بھی نہیں
یہ کیسے گہرے سے، تاریک سے یہ روزن ہیں
یہ ہڈّیاں ہیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی

خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی!
کہاں وہ گال یہ بس استخواں ہیں ابھرے ہوئے
نہ نرم نرم نزاکت ، نہ رنگ و بو کی بہار
خموش ہو گیا کیسا چراغ زیبائی
نہ وہ تبسّم رنگیں ، نہ وہ لب نازک
گلاب کی سی جو اک پنکھڑی تھی اب کیا ہے
یہ کیا ہنسی ہے ، یہ کیا خندہ بے محابا ہے
یہ دانت ۔ درِّ عدن کی وہ آب و تاب کہاں
یہ دانت ۔ کیوں ہیں پسارے ہوئے یہ منہ اپنا
یہ قہقہے ہیں ۔ کہاں ہے وہ قلقلِ مینا
یہ کیسی ریتی سی لو ہے یہ تیز چلتی ہے!

جو میں نے دیکھا ، جو کھڑکی کے پاس جا دیکھا
نہ استخواں تھے ، نہ وہ استخواں کے حلقے تھے
نہ دانت تھے ، نہ مرے استخواں کا خندہ تھا

ذرا سنو تو یہ آواز کیسی آتی ہے
رکی رکی سی ہے کیسی گھٹی گھٹی سی ہے
کہ جیسے کوئی گلا گھونٹتا ہے دشمن کا
ذرا سنو تو یہ جھنکار کیسی آتی ہے
یہ کیسا قیدیٔ زنداں کو حکم جنبش ہے
اور ان کے طوق و سلاسل سے شور اٹھتا ہے
یہ ہولناک صدا اب کدھر سے اٹھتی ہے
یہ کیسی چیخیں ہیں اللہ! کیا پکاریں ہیں
گلے پہ کس کے یہ خنجر کسی کا چلتا ہے؟

کہاں ہے وہ گل رعنا، وہ سرو رعنائی
اسی کی راہ میں میں نے بچھائی تھیں آنکھیں
اسی کو میں نے بسایا تھا گلشن دل میں
مرے خیال کے رنگین لالہ زاروں نے
جوان خوابوں کی پھیلی ہوئی بہاروں نے
یہ میرے شعروں کے رخشندہ چاند تاروں نے

اسے سنوارا تھا، اس کو حسیں بنایا تھا
جو میرے دل میں امیدیں مچلتی رہتی تھیں
جو ولولے، جو امنگیں، جو شوق و ارماں تھے
انہیں کا ہار بنا کر اسے پنھایا تھا!
شرارے سانسوں سے میری جو اڑتے رہتے تھے
جو میری آنکھوں میں چنگاریاں چمکتی تھیں
رگوں میں، دل میں جو اک آگ سی دھڑکتی تھی
انہیں سے ہیروں کا یہ تاج اسے پنھایا تھا!

مرا وہ ہار کہاں ہے، مرا نگار کہاں
مرا وہ تاج کہاں ہے، مرا سراج کہاں

یہ در پہ دیکھو تو کیوں آج اتنی دستک ہے
میں تھک گیا ہوں، مرا دل بھی ہے تھکا ہارا
تھکی تھکی سی نظر ہے، تھکا تھکا سا خیال
یہ جان و دل میں بھی اب تو تھکن کا مسکن ہے

بتاؤں کیا کہ ان آنکھوں میں کب سے خواب نہیں
وہ سات صبحیں جو آئیں گزر گئیں بے خواب
یہ سات شامیں بھی آئیں، گزر گئیں بے خواب
اب آؤ دیکھو مجھے کوئی دم تو سونے دو
یہ میری آنکھیں جھپکتی ہیں، جھپکی جاتی ہیں
یہ میرا سر بھی ہے بوجھل، جھکا ہی جاتا ہے
اب آؤ خواب کی آغوش میں ذرا بیٹھیں
اب آؤ لیٹیں، یہ بستر ہے منتظر کب سے

یہ کون کہتا ہے اٹھّو میں خواب کشتہ ہوں
یہ کس نے میرے گلے پر چلا دیا خنجر
سکون دل پہ یہ کس نے چلا دیا خنجر
یہ کس نے نیند کو، آرام کو ہلاک کیا؟

ہلال عید وہ دیکھو فلک پہ لہرایا
ہلال عید کہاں یہ ہلال احمر ہے

کسی کے لال لہو میں نہا کے آیا ہے
اسے وہ اوجِ فلک سے اتر کے آنا ہے
یہ کیسے قطرے لہو کے ٹپکتے جاتے ہیں
زبان قطرہ یہ کہتی ہے آؤ اٹھو بھی
وہ راز جس کو چھپایا ہے تم نے دنیا سے
وہ راز حجرۂ دل میں ابھی جو پنہاں ہے
وہ راز آج مجھے آشکار کرنا ہے
خیال کانپ گیا، روح بھی لرز اٹھی!
چلو یہ سیڑھیاں دیکھو پکارتی ہیں تمہیں
وہ کہہ رہی ہیں ذرا آؤ اور اترو تو
مکاں کے دل میں جو مستور ہے نہاں خانہ
وہ تیرگی ہے کہ گھبراتی ہے شبِ ہجراں
یہ تیرگی ہے کہ ہے ظلمتِ دلِ کافر
اسی میں تم نے جلائی تھی شمع خوں افشاں
یہ سرخ روشنی سی کیسی جگمگاتی ہے
وہ دیکھو کون ہے سویا ہوا سلایا ہوا

یہ دیکھو مرمریں سینہ، یہ دیکھو خنجر سرخ
یہ یاسمن پہ ہیں کیسے گلاب کے چھینٹے!

کہاں ہے سینۂ نازک، کدھر ہے خنجر سرخ
کہاں ہیں حجرۂ تاریک و شمع خوں افشاں
یہ میں ہوں اور مرا نرم نرم بستر ہے
سفید جیسے کہ یہ چاندنی کی چادر ہے
یہ خواب تھا کہ فریب خیال تھا کیا تھا
ذرا یہ دیکھو تو دل میرا کیوں دھڑکتا ہے

وہ آیا! دیکھو وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے!
میں جانتا ہوں یہ کیوں آج اتنی دستک ہے
شب جدائی گئی، صبح وصل آپہنچی
میں آرہا ہوں، درِ دل پہ اب نہ دستک دو
جو تم نہیں تو یہ دنیا اجاڑ لگتی ہے
جو تم نہیں تو یہ جینے کا بوجھ کیسے اٹھے

جو تم نہیں تو مرا دل ہے شعر بے معنی
یہ میرا سینہ ہے اور لال لال خنجر ہے
تمہارے خون نے بنایا تھا سرخ رو جس کو
وہ خون دل میں مرے اب نہا کے نکلے گا!

○

۱۰

(۱)

مری جاں کہو کیسا دلکش سماں ہے
جو تارِ نظر کو یہاں گوندھتا ہے
اسے دستِ قدرت نے خود ہے سنوارا
پہاڑ اک طرف سر اٹھائے کھڑے ہیں
سرِ کوہ تک سبز جنگل بھرے ہیں
بلندی پہ کچھ بدلیاں ہیں خراماں
کہیں سرمئی ہیں، کہیں کالی کالی
کہیں نقرئی سی وہ ان کی جھلک ہے

سفید اُون جیسے کہ بکھری ہوئی ہو
ارے وہ چمکتی ہیں کچھ بجلیاں سی
گرج ہلکی ہلکی سی کچھ رعد کی ہے
کہ جیسے کہیں دور صحنِ چمن میں
سرِشام بچے ہوں کچھ شور کرتے
اِدھر آبشاروں کی نہریں رواں ہیں
اُدھر طائر نغمہ زن نغمہ خواں ہیں

ذرا دیکھو دریا کا روشن نظّارہ
وہ حدّ نظر تک جو پھیلا ہوا ہے
کبھی نرم سیر اور کبھی فتنہ ساماں
دمِ صبح موجیں ہیں قندیل روشن
سرِشام اس کے حسیں آئینے میں
شفق کا یہ رخسار رنگیں ہے روشن
کبھی اس پہ چاندی سی پگھلی ہوئی ہے
کبھی اس کے دل میں ہے اک آگ روشن!

یہاں دامن حسن پر دیکھتی ہو
عجب بدنما داغ سا لگ رہا ہے
ہو رخسار رنگیں میں ناسور جیسے
وہ چہرے میں ہے چاند کے داغ جیسے
گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے

مری جاں اٹھو شمع رخسار لے کر
یہ دیکھو غلیظ اور گندی سی بستی
شب و روز کیا مفلسی ہے برستی
نگاہوں میں غربت، اداؤں میں غربت
خیالوں میں غربت، ارادوں میں غربت
نہ قوّت، نہ طاقت، نہ ہمّت، نہ جرأت
دم صبح عُسرت، سر شام اذیّت

کبھی خواب دیکھا تو بس خواب حسرت
بھلا زندگی ہے کہ زندہ مصیبت
شب و روز ذلّت، مہ و سال ذلّت

مری جاں اٹھو دیکھو یہ داغ ہستی
چلو دیکھو کیسی بسی ہے یہ بستی
یہ ٹوٹی سی سڑکیں، یہ تاریک گلیاں
غلاظت کی نڈّی سی کیا چڑھ رہی ہے
نجاست شمیم اپنی پھیلا رہی ہے
جو دیواریں خستہ، مکاں ہیں شکستہ
یہ اونچے، یہ نیچے، یہ ٹیڑھے سے چھپّر
یہ دیواریں حسرت سے اب کہہ رہی ہیں
کوئی اٹھّے اور آئے مجھ کو سنبھالے
مری پشت خم اب جھکا چاہتی ہے
یہ چھپّر کا بوجھ اب اٹھائے نہ اٹھّے
دم واپسیں ہے، دم واپسیں ہے!

یہ چھپر ہیں کیسے شکستہ
نہ کرنوں کو ٹوکیں، نہ پانی کو روکیں
جو دھوپ آنا چاہے تو کون اس سے الجھے
جو برسات آئی تو پھر سیل گھر میں
جو طوفاں اٹھا تو بنیا د بیٹھی!

یہ جیسے مکاں ویسے ہی یہ مکیں ہیں
جوانوں کو دیکھو تو بوڑھوں سے بدتر
نہ ہاتھوں میں طاقت، نہ جسموں میں کس بل
نہ فکر جواں ہے، نہ خواب جواں ہے
نہ کچھ ولولہ ہے، نہ کچھ حوصلہ ہے
نہ ہمّت کے ارمان پلتے ہیں دل میں
نہ جرأت کے طوفان اٹھتے ہیں دل میں

جو بوڑھے ہیں وہ موت کے ہم نشیں ہیں

نہ دل جاگتا ہے ، نہ جاں جاگتی ہے
یہ کانوں اور آنکھوں پہ پردے پڑے ہیں
کہو کچھ تو وہ بات سنتے کہاں ہیں
دکھاؤ جو کچھ سوجھتا بھی کہاں ہے
جو سر سرنگوں ہے ، مگر واژگوں ہے
یہ رعشہ ہے پیوستہ ایسا بدن میں
نظر کانپتی ہے ، جگر کانپتا ہے!

یہ بچے ہیں؟ کتّوں سے بھی یہ ہیں بدتر
یہ آپس میں دن رات ان کا جھگڑنا
یہ غرّانا ، یہ بھونکنا ، یہ جھپٹنا
کبھی دھول دھپّا ، کبھی کاٹ کھانا
پھٹے سے یہ کپڑے ، سڑی سی یہ گالی
زباں پر ہے گالی ، دہن میں ہے گالی
یہ میلی سی صورت ، یہ میلی سی سیرت!
بڑھیں گے کل ، ابھریں گے ، ہوں گے جواں یہ

یہ ملک ان کا ہوگا، یہ مال ان کا ہوگا
زمیں، ان کی ہوگی، فلک ان کا ہوگا
مکاں تو مکاں، لامکاں ان کا ہوگا!

یہاں عورتیں ہیں پہ عورت نہیں ہے
لطافت، نزاکت کی دیوی نہیں ہے
جواں سال کچھ ہیں، خزاں دیدہ کچھ ہیں
خزاں سب کے چہروں پہ چھائی ہوئی ہے
جو رخسار دیکھو تو ہیں سوکھے سوکھے
تراوت نہیں ہے، نہ کچھ تازگی ہے
نہ آنکھوں میں جگنو، نہ ہونٹوں میں رس ہے
نہ کس بل کہیں ہے، نہ پیچ و خم کہیں ہے
زباں بد نما ہے، ادا بد نما ہے
ہنسی ایسی بیڈھب کہ نفرت سی اٹھے
یہ باتیں کڈھب دل میں کیسے وہ بیٹھیں
سلیقے سے اٹھنا، نہ چلنا، نہ رکنا

سلیقے سے کھانا، نہ پینا، نہ سونا
سلیقے سے گانا، نہ ہنسنا، نہ رونا
سلیقے سے رہنا، نہ جینا، نہ مرنا
جو کپڑوں کو دیکھو تو ہیں میلے میلے
گلٹ کے یہ زیور بھی ہیں بھدّے بھدّے
نہ وہ حسن جانیں، نہ تزئین جانیں

یہ غربت کے مارے، یہ بھوکے یہ پیاسے
ستاتی ہے پیسوں کی ان کو ضرورت
ضرورت جو آئی، گئی دل سے غیرت
کوئی اپنی چھوٹی زمیں بیچتا ہے
کوئی ٹوٹا پھوٹا مکاں بیچتا ہے
کوئی کھیت، کوئی شجر بیچتا ہے
کوئی ریت، کوئی حجر بیچتا ہے!
جو حاجت رہے اور نہ حاجت روا ہو
زمیں کیوں نہ بیچیں، مکاں کیوں نہ بیچیں

شجر کیوں نہ بیچیں، ثمر کیوں نہ بیچیں
گلا جن کا غربت نے آکر دبایا
وہ عزّت بھی بیچیں، وہ حرمت بھی بیچیں
وہ بچّے بھی بیچیں، وہ بہنیں بھی بیچیں
وہ دنیا بھی بیچیں، وہ عقبیٰ بھی بیچیں!
سراپا حقیقت ہے دیکھو فسانہ

(۲)

مری جاں حقیقت کی تصویر دیکھی
بدلتی ہے تصویر اب اپنی صورت
حقیقت سے بنتا ہے یوں خواب رنگیں

مرا شہپر فکر اٹھا پھڑپھڑا کر
یہ شاہیں اڑا نیلگوں آسماں پر
ستاروں سے ان کی لَویں کاٹ لایا
یہ رخشاں محل میں نے ان سے بنایا

یہ آرام دل ہے، یہ آرام جاں ہے
یہ فانوس رنگیں، یہ رخسار روشن
ضیا بار کیسی ہے یہ برق ایمن

مری جاں اٹھو شمع رخسار لے کر
ذرا دیکھو کیسا یہ روشن محل ہے
بلندی میں جس کی زمیں آسماں ہے
مسیحا بھی حیراں ہے کس کا مکاں ہے
یہ مرمر کے دیوار، مرمر کے ایواں
یہ موتی بکف اور گوہر بداماں
زمیں مرمریں ہے ستوں مرمریں ہیں
سبھی بام و در مرمریں مرمریں ہیں
منقش، منقش، منقش، منقش
عجب حسن ہے کچھ، عجب ساحری ہے
یہ نقاش قدرت کی صنعت گری ہے
وہ روشن ہیں جھاڑ اور فانوس سیمیں

ادھر قمقمے رنگ جھلکا رہے ہیں
یہاں عیش کے سب ہیں ساماں مہیّا
یہ کمخواب و مخمل، یہ زربفت و دیبا
یہ رنگین قالیں، یہ زرتار پردے
یہ ریشم کے بستر، یہ ریشم کے تکیے
ہیں نرمی میں، نکہت میں سندر سے سپنے
زمیں پر نہ دیکھی تو دیکھو یہ جنّت
جو اک خواب تھا وہ ہے رنگیں حقیقت

چمن دیکھو کیسا یہاں کھل رہا ہے
مری جاں چمن ہے کہ باغ ارم ہے
کرو آؤ گلگشت باغ ارم میں
زمرّد کے سبزے ہیں یا نرم ریشم
چمکتی ہے کیسی یہ ننّھی سی شبنم
یہ چشمے ہیں یا نور پگھلا ہوا ہے
یہ نغمے ہیں یا سازِ دل کی صدا ہے

ادھر دیکھو شمشاد و سرو سہی ہیں
وہ دیکھو انار اور وہ سیب و بہی ہیں
چنبیلی کہیں ہے، کہیں موتیا ہے
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا ہے
یہ لو کیتکی ہے، وہ جوہی کھلی ہے
وہ سنبل ہے اور وہ گل اشرفی ہے
کہیں نرگس و سوسن و نسترن ہیں
کہیں زرد نسریں، کہیں یاسمن ہیں
اِدھر سیوتی ہے تو گیندا اُدھر ہے
اِدھر ناز بو ہے تو چنپا اُدھر ہے
وہ دیکھو گلابوں کے دستے کھڑے ہیں
وہ لالوں کی پلٹن بھی کیا سج رہی ہے
الگ ارغواں کے بھی لشکر جمے ہیں

مکانوں کو دیکھو نگینے جڑے ہیں
عجب حسن کاری کے ہیں یہ نمونے

بناوٹ نئی ہے، سجاوٹ نئی ہے
نئی بانکپن ہے، نرالی ادا ہے
یہ صنّاعی ایسی کہ دل لوٹ جائے
بشر لوٹ جائے، ملک لوٹ جائے
ضیائے قمر ہے، چمکتے ہیں اختر
بنائے ہیں کس نے یہ خوش آب گوہر

یہ ہموار سڑکیں بھی کیا خوشنما ہیں
کشادہ، مصفّا، چمکتی ہوئی سی
گلی کوچے دیکھو ہیں شفّاف کتنے
نظر بھی پھسلتی ہے ایسی صفا ہے

مکاں بھی حسیں ہیں، مکیں بھی حسیں ہیں
حسینوں کے گویا چمن کھل رہے ہیں
جدھر دیکھو اک حسن کا جمگھٹا ہے
لبوں پر ہنسی ہے، دلوں میں خوشی ہے

جبینوں میں ان کی لطافت چھپی ہے
تن نازنیں میں نزاکت چھپی ہے
نگاہوں میں شوخی، اداؤں میں شوخی
کبھی جان لیتی ہے تیغ حیا بھی
ادا فتنہ زا، اور قامت قیامت
جو حوروں کی صورت تو پریوں کی سیرت
عجب دلستانی، عجب دلبری ہے
فسوں ساز قدرت کی کیا ساحری ہے
یہ باتیں کہ مینا کا قلقل ہو جیسے
یہ گانے کہ نغمہ ہو بلبل کا جیسے
تبسّم، کہیں جیسے گل مسکرائیں
ہنسی، جیسے طائر کہیں چہچہائیں
لباس ان کے رنگیں ہیں، زیور ہیں زرّیں

یہ بچّے بھی دیکھو تو ہیں بھولے بھالے
یہ پیاری سی صورت، یہ پیاری ادائیں

یہ معصوم چہرے، یہ معصوم باتیں
فرشتوں نے مانگی ہے ان سے لطافت

ہوا عیش و عشرت کی کیا بہہ رہی ہے
مسرّت کی تانیں غضب اڑ رہی ہیں
نظر میں وہ ابھرے دلوں کے تبسّم!
لبوں سے وہ چھلکے مچلتے ترنّم!
دم صبح عشرت، سر شام عشرت

یہ دولت کے پرچم کی زرّیں جھلک ہے
یہ ثروت کے زرّیں نشاں کی چمک ہے
یہ بادل زر و سیم برسا رہے ہیں
صدف درِّ شہوار کھنکا رہے ہیں
یہ لعل و زمرّد، یہ ہیرے، یہ نیلم
چمکتے، دمکتے، جھلکتے ہیں ہر دم
ہر اک پھول دیکھو یہاں زر بکف ہے

لٹایا ہے قاروں نے اپنا خزانہ!

بدل کر بھی دنیا بدلتی نہیں ہے
محل میری جاں یوں ہی بنتے رہے ہیں

(۱۱)

ہاں کون یہ سلطاں ہے
جو عرش پہ بیٹھا ہے
کس شان سے بیٹھا ہے!
کیا تخت جواہر ہے
کیا افسر شاہی ہے
اس تاج کی کرنوں سے
روشن ہیں طبق سارے
یہ شاخ ہے طوبیٰ کی
وہ طائر سدرہ ہے
جانباز فرشتوں کی

کیا صف پہ ہے صف دیکھو
کیسے ہیں پرے دیکھو
کیسی تزک و حشمت
کیا جوشس اطاعت ہے
الحمد ہے ہر لب پر
ہر حرف قصیدہ ہے
سجدوں میں جبینیں ہیں
اور دل میں نمازیں ہیں

وہ باغ ارم دیکھو
کیا قصر ہیں، کیا گلشن
کیا حوروں کے درشن ہیں
کیا شہد کی نہریں ہیں
چاندی کے بھی چشمے ہیں
پھولوں کی مہک سونگھو
اور طائر خوش الحاں

کی دیکھو غزل خوانی
جاگیر یہ کیسی ہے؟

نیچے بھی ذرا جھانکو
کیا آگ کے زنداں ہیں
کیا آگ کے تکیے ہیں
کیا آگ کے بستر ہیں
کیا شعلے لپکتے ہیں
شمشیریں دہکتی ہیں
کیسی ہیں یہ تعزیریں
آہیں بھی ہیں، نالے بھی
فریاد بھی، زاری بھی
کیا جانیں تڑپتی ہیں
روحیں ہیں کہ جلتی ہیں
جانکاہ مشقّت ہے

یہ زیرِ زمیں کیسا
قاروں کا خزانہ ہے
کیا سنگ ہیں مرمر کے
کیا لعل و زمرّد ہیں
موتی بھی ہیں، مرجاں بھی
نیلم بھی ہیں، ہیرے بھی
یہ سیم و زر و گوہر
محنت کے پسینے ہیں
اور خون کے قطرے ہیں
ان قطروں کو لے لے کر
یہ عرش بناتے ہیں
فردوس سجاتے ہیں!

دھرتی کو ذرا دیکھو
کیا بھوک کی تیز آتش
ہر وقت لہکتی ہے

کتنوں کو جلاتی ہے
اور راکھ بناتی ہے
بیچارگی، ناداری
اس بیکسی و خواری
کی کیسی ہیں زنجیریں
کیا طوق و سلاسل ہیں
پتھر کے یہ زنداں ہیں

شبنم جو چمکتی ہے
ہاں اس کو چمکنے دو
بلبل جو چہکتی ہے
اب اس کو چہکنے دو
پھولوں کو مہکنے دو
دیکھو یہ کفِ پا میں
کیا خار کھٹکتے ہیں
کیسے یہ پھپھولے ہیں

کیا خون ٹپکتا ہے
کیا پیپ سی رستی ہے

مذہب کا یہ دیکھو تو
کیوں سانگ سجاتے ہو
اخلاق کا سوچو تو
کیوں ڈھونگ مچاتے ہو
قانون یہ بڑھ بڑھ کر
کیوں ڈینگ کی لیتا ہے
فرسودہ روایت کا
کیوں شور یہ مچتا ہے
یہ جھوٹ کی چالیں ہیں
دولت کے یہ دھندھے ہیں
سرمایہ کے پھندے ہیں
بیچارے غریبوں کو
پھندوں میں پھنساتے ہیں

یہ کیسا تعجّب ہے
یوں مجھ سے خفا کیوں ہو
وہ بول زباں پر ہے
جو دل میں مچلتا ہے
زرّیں یہ محل تم نے
اپنا جو بنایا ہے
مرمر کی یہ دیواریں
مرمر کے یہ ایواں ہیں
کیا نقش و نگار ان کے
رنگیں بھی ہیں زرّیں بھی
جو باغ لگائے ہیں
جو پھول سجائے ہیں
مزدوروں کی محنت کے
یہ سارے کرشمے ہیں
ہاں ان کے پسینوں کے

موتی یہ جھلکتے ہیں
اور خون میں پل پل کر
یہ پھول مہکتے ہیں
یہ رنگ نکھرتے ہیں
ان رنگوں میں سوچو تو
انگڑائیاں کس کی ہیں
رعنائیاں کس کی ہیں

کیا دل میں امنگیں تھیں
سرشار امیدیں تھیں
کیا جوشِ لطافت تھا
طوفانِ صباحت تھا
کیا موجِ نزاکت تھی
رنگینیٔ نزہت تھی
کس غولِ بیاباں نے
خوں چوس لیا ان کا

لوٹیں یہ بہاریں بھی
ہاتھوں میں جو طاقت تھی
اور جسموں میں کس بل تھا
سندر سے یہ سپنے جو
آنکھوں میں مچلتے تھے
اور دل میں تڑپتے تھے
برباد ہوئے کیسے
سنسان اب آنکھیں ہیں
سنسان دل و جاں ہیں
ویرانہ ہے ویرانہ!

کہتے ہو کہ دنیا سے
یوں دل نہ لگاؤ تم
دنیا جسے کہتے ہیں
دھوکے کی یہ ٹٹّی ہے
دھوکے میں نہ آؤ تم

دولت تو ہے ہرجائی
دل اس سے ہٹاؤ تم
یہ حسن جو رخشاں ہے
رقصاں و درخشاں ہے
یہ غول بیاباں ہے
قندیل جو لے کر
تاریکیٔ صحرا میں
دن رات بھٹکتا ہے
راہی بھی بھٹکتے ہیں
یہ جان کا دشمن ہے
ایمان کا دشمن ہے
ہاں اس کو بھٹکنے دو!

غربت میں امیری ہے
ہے فقر شہنشاہی
لو دیکھو قناعت کی

اس حبلِ متیں کو تم
مضبوط ذرا تھامو
دنیائے دنی چھوڑو
آکاش پہ دیکھو تو
دنیا ہے بسی کیسی
پُر نور بہاروں کے
رخشندہ نظارے ہیں
جھونکے ہیں صباحت کے
طوفاں ہیں لطافت کے
کیا نور کے چشمے ہیں
کیا طور کے شعلے ہیں
دائم ہے بقا ان کی
یہ حسن بھی باقی ہے
یہ پھول بھی باقی ہے

یہ عرش، یہ کرسی بھی

یہ افسرِ شاہی بھی
یہ تختِ زمرّد بھی
یہ حور بھی، غلماں بھی
یہ جن و ملائک بھی
یہ ساری شہنشاہی
لو دیکھو تمہاری ہے
جبریل تمہارا ہے
یزداں بھی تمہارا ہے!

رنگین خیالوں سے
اب مجھ کو نہ بہلاؤ
جنّت میں رکھا کیا ہے
یہ حوریں پرانی ہیں
اس عرشِ معلّٰے کی
بنیاد پرانی ہے
خستہ ہے، شکستہ ہے

بہلاتے ہو جس سے وہ
تخئیل پرانی ہے

ہاں دیکھو سنبھل جاؤ
اب صور جو پھنکتا ہے
محشر یہ اٹھائے گا
ان سر بفلک قصروں
صد رنگ گلستانوں
عشرت کے سمن زاروں
دولت کے حصاروں کو
یہ آج مٹائے گا
مٹّی میں ملائے گا

سنتے ہو مری للکار
دیکھو یہ مری یلغار
میں تخت الٹتا ہوں

یہ نظم بدلتا ہوں
اب بزم مری ہوگی
ساقی بھی مرا ہوگا
ساغر بھی مرے ہوں گے
یہ مے بھی مری ہوگی

اب ساز مرے ہوں گے
نغمے بھی مرے ہوں گے
پریاں بھی مری ہوں گی
غلماں بھی مرے ہوں گے!

تاریخ جہاں کا یہ
سنگین تقاضا ہے
اب وقت کا سمجھو تو
یہہ صاف اشارہ ہے
کیا سرخ ستارہ ہے!

اب جنگ نئی ہوگی
اور صلح نئی ہوگی
اب حسن کی آنکھوں میں
چنگاری نئی ہوگی
اور دل کے دھڑکنے کے
انداز نئے ہوں گے
لیلیٰ بھی نئی ہوگی
مجنوں بھی نئے ہوں گے
اور کوہوں پہ تیشہ زن
فرہاد نئے ہوں گے

قدرت یہی کہتی ہے
اب خواب نئے ہوں گے
تعبیریں نئی ہوں گی
پیغام نئے ہوں گے
قرآن نئے ہوں گے

اس نکتۂ ایماں کی
تفسیریں نئی ہوں گی

(۱۲)

دیکھو آرائش کاکل نہ کرو
زلف پُرخم کو ابھی خم نہ کرو
غازہ رخ پر نہ لگاؤ دیکھو
تیرِ مژگاں نہ سنبھالو دیکھو
حسن کو اپنے تماشا نہ کرو
تم فسانہ ہو، فسانہ نہ بنو

آئینہ میں نے بنایا ہے نیا
اس میں نیرنگ دکھایا ہے نیا
حیرتی ہے نہ یہ برہم ہے کبھی

دیکھتا ہے جو دکھاتا ہے وہی
صبحدم اس میں صباحت ہے نئی
اور سرِ شام ملاحت ہے نئی
دن کو سورج کی دہکتی کرنیں
شب کو تاروں کی روپہلی کرنیں
زلفِ دیجور کی تاریکی ہے
چشمِ طوفاں کی جنوں خیزی ہے
برقِ جانسوز گرا کرتی ہے
آتشِ تیز جلا کرتی ہے
آئینے کی یہی نیرنگی ہے
اس کی یک رنگی میں صد رنگی ہے
اس میں دیکھو رخِ روشن اپنا
حسنِ پرفتنۂ و صد فن اپنا

یہ مکاں کس نے بنایا ہے یہاں
سیلِ صد رنگ بہایا ہے یہاں

چوٹیاں دیکھو یہ اونچی اونچی
کیسی دستار سروں پر ہے دھری
نقرئی سی ہے یہ سبزی مائل
جیسے بگلوں میں چھپے ہوں ہریل
لالہ زار اپنی دکھاتے ہیں پھبن
سبزے پھیلائے ہیں اپنا دامن
آبشاروں کی بچھی ہے چادر
یا ہے پگھلے ہوئے ہیروں کی سیر
یہ ہواؤں کے کھلے دروازے
تار بارش کے کھنچے وہ پردے!

نیلگوں چھت ہے یہ کیسی دیکھو
اس میں ٹانکے ہیں یہ کس نے جگنو
چاند تاروں کے یہ پھیلے ہوئے جال
کہکشانوں کے یہ بکھرے ہوئے جال
جھلملاتے ہیں، جھلکتے بھی ہیں

سنسناتے ہیں، گرجتے بھی ہیں
جگمگاتی ہیں فضائیں کیا کیا
دندناتی ہیں خلائیں کیا کیا
موج ہنستی ہے خروشاں دیکھو
کیسے اٹھتے ہیں یہ طوفاں دیکھو

کیسی فانوس میں گلکاری ہے
یہ کبود اور وہ زنگاری ہے
لالہ رخسار، سیہ چشم بھی ہے
اور جبیں کیسی جھلاجھل سی ہے
نت نئے رنگ ابھرتے ہیں یہاں
نور پر نور نکھرتے ہیں یہاں

ارے اب آئینہ میلا کیوں ہے
رنگ پر زنگ کا ریلا کیوں ہے!

آنکھوں سے قہر ٹپکتا کیوں ہے
خنجر غیظ تڑپتا کیوں ہے
کیسی وحشت کی حکومت ہے یہاں
کیسی دہشت کی حکومت ہے یہاں
یہ تشدّد کے علم کیسے ہیں
جبر کیوں، ظلم وستم کیسے ہیں
طائر رنگ پر افشاں کیوں ہیں
دل میں یہ خوف کے مہماں کیوں ہیں
آہ و فریاد و فغاں ہیں ہر دم
درد و غم، رنج و الم ہیں پیہم
خون کا خون سے بدلہ کیوں ہے
رنگ رخسار سے اڑتا کیوں ہے
برق چمکی، ارے طوفان اٹھا
خوں کا سیلاب یہ کیسا آیا
آسمانوں کو بھی جو لے ڈوبا!

ہاتھ سے آئینہ لو چھوٹ گیا
شیشہ تھا ٹوٹ گیا پھوٹ گیا

آؤ پھر آئینہ لایا ہوں میں
پھر نئی سیر دکھاتا ہوں میں
پھر نقاب اپنی اٹھاؤ تو ذرا
اور دیکھو رخ زیبا اپنا
کیسی آنکھوں میں کرن کھیلتی ہے
یہ محبّت کی کرن کھیلتی ہے
اس نے ظلمت سے جو کاڑھا ہے نور
ظلم سے رحم کا ہوتا ہے ظہور
رحم آنکھوں میں ہے رقصاں دیکھو
رحم چہرے میں ہے رخشاں دیکھو
رحم سے باتیں ہیں شیریں شیریں
اور تبسّم بھی ہیں رنگیں رنگیں
جسم یہ کیسا محبّت سے بنا

اور یہ خوں بھی محبّت سے بنا
یہ چمن اب ہے محبّت کا چمن
رحم کے نور سے روشن روشن

لو! اسی رحم سے تلوار بنی
جان لیوا یہ ستمگار بنی
جنگجو، مائل پیکار بنی
خون پی کر یہی خونخوار بنی
اشہب خوں کو ہوئی کیا مہمیز
دشت و دریا ہوئے خوں سے لبریز
جو تھا غفّار وہ جبّار بنا
جو تھا منّان وہ قہّار بنا
لب پر الفت کا فسانہ خنداں
خوں چکاں ہاتھوں سے ہے خوں رواں
کیسی الفت نے بنائی نفرت
جاں سیاری گئی، ابھری شدّت

چیں جبیں سے تو مٹاؤ اپنی
آتش غیظ. بجھا دو اپنی
آئینہ میرا بدلتا ہے رنگ
اب دکھاتا ہے عجب یہ نیرنگ
دست تدبیر میں تقدیر ہے آج
شر کے پہلو میں یہاں خیر ہے آج
کیسے ہمدم یہ بنے بیٹھے ہیں
شانوں سے شانے ملے بیٹھے ہیں
بادشہہ تخت پہ بیٹھا ہے یہاں
تاج الماس ہے رخشاں رخشاں
کیسی محکم ہے حکومت کی زمام
عدل وانصاف کا پھیلا ہے نظام
انقلابی بھی ہیں، باغی بھی ہیں
اور بدمست شرابی بھی ہیں
شور اٹھاتے ہیں، بکا کرتے ہیں

روز ہنگامہ کھڑا کرتے ہیں
لیکن اپنی وہ جگہ پر ہیں جمے
کیا مجال اب جو کوئی حد سے بڑھے

دست قدرت کا ہنر کھلتا ہے
بند جو در تھا وہ در کھلتا ہے
لاکھوں کمرے یہ سجے ہیں کیسے
روشن آئینے لگے ہیں کیسے
کیسے ساغر ہیں یہ سیمیں سیمیں
مئے صد رنگ سے رنگیں رنگیں
ساز محنت بھی ہے آرام بھی ہے
دلستاں بھی ہے، دلارام بھی ہے
شرق تا غرب سکوں ہے رقصاں
درد دل کا ہے سکوں اب درماں

آبگینہ یہ مرا ہاتھ میں لو

دل کا آئینہ ذرا ہاتھ میں لو
آؤ آرائش کا کل کرلو
زلف پرخم کو ذرا خم کرلو
حُسن کو اپنے چراغاں کردو
شعلۂ طور کو سوزاں کردو!

○

۱۳

اے دل میں آنے والے
نظروں سے کیوں نہاں ہے؟

یہ رنگ و بو کا گلشن
ویران ہو رہا ہے
شاخیں ہیں سونی سونی
پتّے بچھڑ گئے ہیں
باد صبا جنازہ
گل کا اٹھا رہی ہے
چشمے ہیں خاک بر سر

اشجار سرنگوں ہیں
اے ابر میرے آ جا
صورت ذرا دکھا جا
دھرتی ترس گئی ہے
جاں بھی ترس گئی ہے

اہل نظر سے پوچھا:
وہ دل ربا کہاں ہے؟
کہنے لگے وہ مجھ سے
آنکھیں جو دل کی وا ہوں
ہر ذرۂ جہاں میں
پھر جلوہ اس کا دیکھو
شبنم میں جوت اس کی
کلیوں میں اس کی بو ہے

اللہ! کیا چمن میں

شبنم چمک رہی ہے
دریا کا ہے یہ موتی
یہ ہے زمیں کا ہیرا
اور آسماں کا تارہ!
دل نے کہا اٹھا لو
لو آنکھوں سے لگا لو
جاں میں اسے بٹھا لو

چھونا اسے غضب تھا
شبنم نہ تھی، ہوا تھی
انگشت میری نم تھی!

کلیاں وہ کھل رہی ہیں!
آؤ شمیم سونگھو
رنگت بھی ان کی دیکھو
کیا رنگ ہے نرالا

آنکھیں ہیں میری رنگیں
کیسی غضب ہے خوشبو
جاں ہے مری معطّر!

کرنوں نے ان کو تاکا
دستِ صبا نے ٹوکا
ہو لمس کا تحمّل
ایسی کہاں تھی نرمی
مرجھا گئیں وہ کلیاں
پھر رنگ تھا نہ بو تھی!

قطروں سے میں نے پوچھا:
وہ دلربا کہاں ہے؟
قطرہ اسے نہ سمجھو
یہ چشمۂ حقیقت
یہ سیلِ زندگی ہے

موجوں میں جوش اٹھا
قطرے اچھل اچھل کر
ہاتھوں پہ میرے آئے
دستِ صبا نے اُٹھ کر
پنکھا جھلا جو ان کو
سورج نے ہنس کے ایسے
کرنوں کے بان مارے
قطرے وہ پھر ہوا تھے
ہاتھوں پہ صرف نم تھا!

یہ ننھے ننھے تارے
کلیاں ہیں آسماں کی
گلشن ہے اک زمیں پر
گلشن ہے آسماں پر
تاروں کو میں نے توڑا
اور نور ان کا دیکھا

دل میں سرور مچلا
وہ بدر اگر کہیں ہے
وہ مہر اگر کہیں ہے
تاروں میں وہ چھپا ہے
اے نور میرے آجا
صورت ذرا دکھا جا!

کیسی ہوا یہ آئی
مرجھا کے میرے تارے
شاخ فلک سے ٹوٹے
وہ اوج آسماں سے
ایسے گرے خلا میں
کھو جا بہت پہ میں نے
کچھ نقش پا نہ پایا

اہل نظر کو کس نے

افسانہ کہہ دیا ہے
پردہ نشیں وہ میرا
شبنم میں کیسے جھلکے
موجوں میں کیسے تڑپے
پھولوں میں کیسے مہکے
تاروں میں کیسے چمکے
بہلاتے ہیں وہ دل کو
کہہ کہہ کے یہ فسانہ!

پھر اہلِ دل سے پوچھا
وہ دل ربا کہاں ہے؟
کہنے لگے: وہ دلبر
دل میں ہے جلوہ فرما
چھانو نہ تم زمیں کو
تاکو نہ آسماں کو
ہے یہ زمیں کی ہمّت

ہے یہ فلک کی ہمّت
دل میں اسے بٹھائے؟
آئے جو وہ زمیں پر
جائے جو آسماں پر
پھر یہ زمیں عدم ہو
پھر یہ فلک فنا ہو
یہ دل ہے اس کا محمل
دل ہی میں اس کو ڈھونڈو
یہ دل ہے اس کی محفل
مسند پہ دل کی دیکھو
وہ شاہ دل نشیں ہے
عرش بریں یہیں ہے
کون و مکاں یہیں ہے
اور لامکاں یہیں ہے

میں نے جو دل میں جھانکا

اک شمع دیکھی روشن
مسند تھی سیج گل کی
پھولوں سے، رنگ و بو کی
چادر بچھی ہوئی تھی
شبنم نے موتیوں کو
مسند میں جڑ دیا تھا
قطروں کے قمقمے بھی
رنگیں جھلک رہے تھے
پروانہ دار کتنے
تارے تڑپ رہے تھے
بدر و ہلال کتنے
کتنے وہ مہر تاباں
جاں اپنی دے رہے تھے!

یہ کیا ہوا خدایا!
کایا پلٹ گئی ہے

طوفان اٹھ رہے ہیں
یہ درد و غم کے طوفاں
ظلم وستم کے طوفاں
وحشت کے غلغلے ہیں
دہشت کے زلزلے ہیں
ظلمت کی بارشیں ہیں
خوں ریز سازشیں ہیں
یہ جبر، یہ تشدّد
طغیانیٔ تمرّد
کی سیل بہہ رہی ہے
دل ہے نہ دل ربا ہے
وہ نور اب کہاں ہے؟

لب سے یہ دل ربا کے
کیا حرف ناز چھلکا
مجنوں یہ کون نکلا

جو مجھ کو ڈھونڈتا ہے
ذوقِ جنوں کو اس کے
حیرت سے تک رہا ہوں
شبنم بنائی میں نے
کلیاں کِھلائیں میں نے
قطروں کو دی یہ ٹھنڈک
تاروں کو روشنی دی
لیکن نہ سوزِ دل کو
راحت ہوئی میّسر

تاروں سے آگے کتنے
میں نے جہاں بنائے
کتنے یہ چاند تارے
کتنے یہ مہرِ تاباں
کیسی یہ کہکشائیں
روشن ہوئیں فضائیں

زرّیں بنیں خلائیں
یہ بحر نور میرا
کیا موجیں مارتا ہے!

لیکن نہ جانے دل میں
کیا درد جانگسل ہے
کیا سوزشِ دروں ہے
کیسا ہے روگ جاں میں
مجھ کو خبر نہیں ہے
میں کون ہوں، میں کیا ہوں

میری یہ جستجو ہے
بس آرزو یہی ہے
اپنا سراغ پاؤں
سربستہ راز کھولوں
میں نے یہ دل بنا کر

دکھ کی دوا بنائی
کمبخت دل نے لیکن
آئینہ اپنا توڑا
ہیں چور چور شیشے
بکھری ہوئی ہیں کرنیں
شیشوں کو میرے چُن لے
کرنوں کو لے اٹھا لے
آئینہ پھر بنا دے
تو کھوج ، میں بھی کھوجوں
اپنا پتہ لگاؤں
میں کون ہوں، میں کیا ہوں

○

۱۴

یہ دیکھو خواب کی دنیا میں کون آیا ہے
یہ چاند ہے کہ ستارہ ہے برق ہے کیا ہے
دکھا دکھا کے جھلک اپنی منہ چھپاتا ہے
یہ کرنیں کیسی ہیں جو مجھ کو تکتی رہتی ہیں
بچا بچا کے نظر میرے پاس آتی ہیں
کبھی وہ چہرے پہ نظریں جمائے جاتی ہیں
کبھی ان آنکھوں کو، گالوں کو اور ہونٹوں کو
لپک لپک کے وہ چھوتی ہیں، پیار کرتی ہیں
کبھی یہ شوخی مجھے گدگدی لگاتی ہیں
وہ مسکراتی ہیں اور مجھ کو بھی ہنساتی ہیں

میں ہنستے ہنستے جو پھر آہ جاگ اٹھتا ہوں
تو میں ہوں، بستر راحت ہے اور تنہائی
نہ چاند ہے، نہ ستارہ، نہ برق کچھ بھی نہیں
مری وہ کرنیں کہاں جا چھپیں بتاؤ تو
میں کس سے پوچھوں، کہاں ڈھونڈوں، کیا کروں اللہ!
مری نظر میں یہ ظلمت سی کیسی کھیلتی ہے

وہ دیکھو خواب کی دنیا میں کون آتا ہے
جو نیند رات کو جھولے مجھے جھلاتی ہے
نشاط خواب کی پینگیں جو وہ بڑھاتی ہے
سکوں کی ٹھنڈی ہوائیں جو تھپکی دیتی ہیں
مری رگوں میں لہو کو بھی نیند آتی ہے
مرے یہ دل کی تڑپ بھی خموش ہوتی ہے
مری یہ سانس بھی آتی ہے سوئی سوئی ہوئی
تو پھر یہ خواب کی آنکھ اپنی آنکھیں کھولتی ہے
جو آنکھیں کھلتی ہیں پھر وہ کرن چمکتی ہے

شعاعِ نور کا دیکھو یہ رقص نور افشاں
کرن ہے وہ کہ پری ہے، چھلاوہ ہے کیا ہے
وہ کیسی شوخ ہے، کیا چلبلی ہے، چنچل ہے
چمک کے آئی ادھر پھر چھمک گئی وہ اُدھر
وہ اتری ہاتھوں پہ، مچلی وہ میرے سینے پر
کبھی نظر میں وہ چمکی تو آنکھوں میں جھلکی
کبھی وہ گال، کبھی میرے ہونٹ چومتی ہے
وہ میری سانسوں میں کیا بجلیاں جگاتی ہے
رگوں میں بہتی ہے، دل میں مرے تڑپتی ہے
مرا یہ دل ہے کہ اک برق صاعقہ دیکھو
بتاؤ جاگتی نظروں سے وہ نہاں کیوں ہے؟

مرے خیال کی دنیا میں کون آیا ہے
یہ کیسی چاند سی صورت نظر میں پھرتی ہے
ہوا ہے کیسی دمِ صبح یہ لطیف لطیف
یہ اوس سبزوں پہ موتی سی جگمگاتی ہے

یہ نرم نرم سی کرنیں چمن میں آتی ہیں
شجر پہ ہنستی ہیں، کلیوں پہ مسکراتی ہیں
یہ سوئی سوئی سی کلیاں جو آنکھیں کھولتی ہیں
تو رنگ و بو کا پھریرا ہوا میں اڑتا ہے
ہوا نکھرتی، فضا کیسی لہلہاتی ہے
ارے یہ پھولوں سے وہ چاند جھانکتا ہے مجھے
سنوارتا ہے وہ زلفوں کو ناز سے کیا کیا
وہ دیکھو کیسے کن انکھیوں سے دیکھتا ہے مجھے
نظر سے دل کا فسانہ مجھے سناتا ہے
وہ گلبنوں میں کبھی چھپ کے مسکراتا ہے
وہ جھاڑیوں میں کبھی دیکھو گنگناتا ہے
کبھی درختوں کے پیچھے وہ چھپ کے ہنستا ہے
کبھی وہ چشموں میں غوطے لگا کے بھاگتا ہے
میں کھوجتا ہوں بھلا ہاتھ پھر وہ آتا ہے

یہ دیکھو چاندنی کیسی ہے چھٹکی چھٹکی ہوئی

زمیں پہ پھیلی ہوئی، آسماں پہ پھیلی ہوئی
یہ بحر و بر بھی ہیں روشن، یہ کوہ بھی روشن
یہ بام و در بھی ہیں روشن، یہ صحن بھی روشن
وہ چاندنی میں کھڑا کون یوں نہاتا ہے
وہ کون چاند کی کرنوں کو تیز کرتا ہے
وہ شمع طور ہے دنیا یہ طور ہے گویا
یہ دیکھو کیسا اجالا نظر میں بھرتا ہے
یہ دل بھی، جاں بھی منوّر ہے کیسا نور ہے یہ
جو چاہا میں نے اسے آنکھوں سے لگاؤں ذرا
جو چاہا میں نے رگ جاں میں دوں جگہ اس کو
ہنسا وہ چاند۔ یہ دنیا چمک اٹھی کیسی!
ہنسا وہ اور پھر آنکھوں سے میری اوجھل تھا
یہ چاندنی ہے، بھلا چاندنی اسے کہئے
یہ پھیکی پھیکی سی ہے، کیسی زرد روسی ہے
مری نگاہوں میں ظلمت کا آہ مسکن ہے

مرے خیال کی دنیا میں پھر وہ آ ہی گیا
نظر پہ چھایا، دل و جاں میں آج چھا ہی گیا
بتاؤ کس چمنستاں کا وہ گلِ تر ہے
فلک کا دیکھو تو کیا تابناک اختر ہے
نظر میں اس کی محبّت کی چاندنی نکلی
لبوں پہ اس کے محبّت کے زمزمے چہکے
شرارے کیسے محبّت کے سانس سے نکلے
رگوں میں کیسے محبت کے ولولے بھڑکے
بہارِ حسن یہ تازہ بہار کیسی ہے
بہارِ دل بھی وہی ہے، بہارِ جاں بھی وہی

وہ آیا پاس مرے اور لے کے ہاتھوں میں ہاتھ
مری نظر میں کنول سا جلا دیا کیسا
ستارے نکلے، مرے دل میں چاند بھی نکلا
یہ دیکھو مہرِ جہانتاب بھی نکلتا ہے!
وہ زلف اور وہ گریباں سجے ہیں میرے لئے

نگہ میں ساغر و مینا بھرے ہیں میرے لئے
یہ لالے میرے لئے ہیں، یہ لعل میرے لئے
یہ بلبلیں ہیں غزل خواں لبوں پہ میرے لئے
حجاب میرے لئے، شوخیاں ہیں میرے لئے
یہ ناز و عشوہ و جور و جفا ہیں میرے لئے

جہاں میں جاتا ہوں، وہ ساتھ ساتھ چلتا ہے
خموش میں ہوں تو وہ بھی خموش رہتا ہے
جو مسکراتا ہوں میں، وہ بھی مسکراتا ہے
جو بے کلی ہے مجھے دیکھو وہ بھی بیکل ہے
وہ جان عشوہ، وہ جان وفا ہے میرے لئے
ادائیں اس کی ہیں رنگیں بھی، پیاری پیاری بھی
وہ باتیں اس کی ہیں جیسے خوشی کے چشمے ہوں
میں سنتا رہتا ہوں، کیسی خوشی سے سنتا ہوں

مرے خیال کی دنیا میں کوئی آ ہی گیا

یہ سونے سونے سے دل کو مرے بسا ہی گیا
سنو تو کہتے ہیں مجھ کو جنوں ہے یہ کیا ہے
فسوں ہے یہ کہ فریب خیال ہے کیا ہے
نہ چاند ہے، نہ گلِ تر، نہ کوئی اختر ہے
مرے طبیب! یہ تم مجھ سے پوچھتے کیا ہو
یہ خواب کیا ہے، یہ کیسا خیال ہے مجھ کو
نہ وہم ہے، نہ جنوں ہے، نہ کوئی افسوں ہے
جو آنکھیں ہوں تو ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو
وہ دیکھو کون کھڑا مسکرائے جاتا ہے
وہ کیسا نور ہے بس جگمگائے جاتا ہے
وہ رنگ و بو کا ہے گلشن یہ رنگ و بو دیکھو
وہ کہکشاں کا ستارہ ہے کہکشاں دیکھو
ارے یہ تم مجھے حیرت سے دیکھتے کیا ہو
جو دیکھتی ہیں یہ آنکھیں وہی دکھاتا ہوں

یہ کیا کہا کہ ذرا اب میں بیٹھ جاؤں تو

یہ کیا کہا کہ ذرا حال دل سناؤں تو
بھلا بتاؤں میں کیا ایسی کوئی بات بھی ہو
بھلا میں کیسے کہوں کوئی واردات بھی ہو
نگہ میں اس کی فسوں تھا، زباں پہ جادو تھا
وہ ابھریں یادیں کبھی یاد جو نہ آتی تھیں
بتائیں باتیں جو لب پر کبھی نہ آئی تھیں
جگے وہ راز جو دل میں مرے تھے خوابیدہ

جواں تھا میں، مری دیکھو نئی جوانی تھی
پڑھے تھے میں نے محبّت کے کتنے افسانے
ہوائیں لاتی تھیں کیا کیا شمیم الفت کی
فضا میں بلبلیں گاتی تھیں گیت الفت کے

وہ بھولی بھالی سی صورت، وہ حسن بے پردا
وہ چہرہ جس میں نزاکت کی راجدھانی تھی
وہ شوخ شوخ نگاہیں حیا میں لپٹی ہوئی

وہ پتلی پتلی سی نازک کلائیاں اس کی
وہ پتلی پتلی سی اللہ! انگلیاں اس کی
وہ ننھا ننھا سا سینہ ابھی نہ ابھرا تھا
وہ نازنیں تھی، مرے دل میں ناز کرتی تھی
وہ پیاری پیاری تھی، میں اس کو پیار کرتا تھا

ملامتوں کی یہ بوچھار ہے ارے توبہ
مذمّتوں کی تفنگیں، وہ طعنوں کے نشتر
وہ جھڑکیاں ہیں کبھی اور گالیاں ہیں کبھی
کوئی یہ کہتا ہے، سودا یہ کیا ہوا اس کو
ڈبایا اس نے جو ناموس حرمت دل کو
لٹایا اس نے جو یوں ننگ و نام بھی اپنا
کوئی ڈراتا ہے کیا کیا عذاب دوزخ سے
کوئی جلاتا ہے نار سعیر میں مجھ کو

گناہ گار ہوں میں، ہاں گناہ گار ہوں میں!

شکن دکھاتی ہے یہ زلف عنبریں کیا کیا
چبھن ہے اس نگہ سرمہ سا میں بھی کیا کیا
یہ کیسے کیسے پری چہرہ لوگ ہیں دیکھو
ادا و عشوہ و شوخی کا جمگھٹا دیکھو

کسی کے لالۂ رخسار کو میں کیوں دیکھوں
کسی کی چشم غزالیں کو اب میں کیوں تاکوں
کسی کے ہونٹوں کے شربت کو اب میں کیوں چکھوں
کسی کے ابھرے ہوئے سینوں سے میں کیوں کھیلوں
بھلا یا دل سے محبّت کا نام بھی میں نے
نگہ پہ قفل ہیں اور دل میں بھی ہیں قفل پڑے
کوئی حسیں ہو، مجھے کیا، میں حسن کیا جانوں

سنایا میں نے اسے حال دل وہ سنتا رہا
میں روز کہتا گیا اور وہ روز سنتا رہا

مرے خیال کی دنیا ہے سوگوار اب کیوں
خزاں نے لوٹ لی دل کی مرے بہار اب کیوں
کہاں ہے وہ گلِ تر، اب کہاں ہے نورِ نظر
وہ تارہ چھپ گیا، وہ چاند ہو گیا روپوش
یہ دھڑکنیں ہیں مرے دل کی کیوں خموش خموش

(۱۵)

ابتدا کیا ہے ، انتہا کیا ہے
اک فریب خیال ہے کیا ہے

یہ گھڑی ہے جو دست نازک ہیں
تم نے دیکھا یہ کیسے چلتی ہے
اس کی ننھی سی جان رقصاں ہے
لمحے یہ وقت کے بناتی ہے
کیسے چلتی ہے، چلتی رہتی ہے
دل مضطر دھڑکتا رہتا ہے
جان نازک مچلتی رہتی ہے

اپنے محور پہ رقص کرتی ہے
رقص پیہم ہے، رقص دایم ہے
رقص کی کوئی انتہا ہی نہیں
اور سوچو تو ابتدا کیا ہے

ہر قدم ناز سے جو اٹھتا ہے
کیسے کیسے وہ گل کترتا ہے
نقشِ نو وہ بنا کے بڑھتا ہے
گل جو نقش قدم سے بنتے ہیں
ہار ساعت کا وہ بناتے ہیں
پھول کیسے گندھے ہوئے ہیں یہاں
رنگ کیسے ملے جلے ہیں یہاں
نیلے پیلے بھی، لال اجلے بھی
سبز، نارنجی، ارغوانی بھی
نت نئے پھول کھلتے رہتے ہیں
رنگ رنگوں سے ملتے رہتے ہیں

دیکھو یہ لال لال پھول جو ہے
ہار کی ابتدا اسی سے ہے
اور وہ زرد زرد پھول جو ہے
آخری پھول ہار کا ہے وہی
زرد اور سُرخ کا ہے بھید یہی
زرد رُو جو ہے سُرخ رُو ہے وہی
کوئی اوّل نہ کوئی آخر ہے
آخر اوّل ہے اوّل آخر ہے

تم نے دیکھا یہ ہار ساعت کا
دیکھنے میں تو ہے یہ ننّھا سا
وسعتیں ہیں کہ اس میں پنہاں ہیں
وسعتوں کا ابھرنا دیکھو تو
موجوں کا یہ بپھرنا دیکھو تو
ہاں یہی روز و شب کا ہار بھی ہے
ظلمت و نور کا سنگار بھی ہے

شب ہوئی ختم، روز روشن ہے
نور کی انتہا ہے تاریکی
روز و شب ہم سفر ہیں، ہمدم ہیں
آگے پیچھے وہ چلتے رہتے ہیں
نور ظلمت کو صید کرتا ہے
اور پھر خود شکار ہوتا ہے
صید ہے کون، کون ہے صیّاد؟
روز و شب ماہ و سال بنتے ہیں
کیسے ہیں یہ رواں دواں دیکھو
جیسے لمحوں کی سوئی چلتی ہے
صدیاں چلتی ہیں، چلتی رہتی ہیں
چلتی آئی ہیں، چلتی جائیں گی
کیسی قرنوں کی ہے سبک رفتار
برق کی چال، روشنی کی چال

ابتدا ہے نہ انتہا کچھ ہے

مثل پرکار ساری گردش ہے
دائرے دائرے بناتے ہیں
دیکھو کیسی غضب ہے نیرنگی
ان کی یک رنگی میں ہے صد رنگی
تنگ آغوش ہے کوئی دیکھو
اور کتنے ہیں پھیلے پھیلے ہوئے
کیسے کیسے یہ آڑے ترچھے ہیں
پیچ در پیچ اور خم در خم
اور کچھ ہیں کہ اک شکن بھی نہیں
دائرے پھولتے ہیں، پھلتے ہیں
دائرے ٹوٹتے ہیں، مٹتے ہیں
کیسے بن بن کے یہ بگڑتے ہیں
چشم مجنوں میں پتلیاں ہیں یہی
ابھرے سینے یہی ہیں لیلیٰ کے
یہی موتی ہیں اور زمیں بھی ہیں
یہی شبنم ہیں اور سورج بھی

یہی بنیاد ہر دو عالم ہیں
ان کی آغوش میں مکاں بھی ہے
اور سمجھو تو لامکاں بھی ہے

دیکھو یہ تخم ننھّا ننھّا سا
اس کی پہنائی تم نے دیکھی ہے
کیسی مضبوط ہیں جڑیں اس کی
جو زمیں میں حلول کرتی ہیں
جال کیسا ہے یہ بسیط بسیط
پیچ در پیچ اور خم در خم
کیسا زیرِ زمیں یہ پھیلا ہے
کس نے سوچو اسے بچھایا ہے
نرم ریشم بھی، سخت آہن بھی
کیا زبردست اس کا چنگل ہے
خاک تو ٹوٹی، ٹوٹے پتھّر بھی
پھر یہی جال، کیسا جادو ہے

توڑ کر اس زمین کا سینہ
سبز عفریت سا نکلتا ہے
خاک سے سر ہے وہ اٹھائے ہوئے
آسماں پر نظر جمائے ہوئے
کیسی کیسی یہ لمبی شاخیں ہیں
سبز خیمہ سا گویا پھیلا ہے
سبز بارہ دری ہے استادہ
پھر یہ خیمہ ہے سرنگوں دیکھو
کیسی ٹوٹی ہوئی طنابیں ہیں
کیسی اس کی بساط ویراں ہے
تخم ہر بار پھر بکھرتے ہیں
جڑ پکڑتے، درخت بنتے ہیں
بڑھتے ہیں، پھیلتے ہیں، جھومتے ہیں
آسماں سے وہ باتیں کرتے ہیں
نئے خیمے، نئی ہے بارہ دری
نئے تخموں کی ہے نئی زنجیر

وقت کی ساحری ہے یہ کیا ہے
ابتدا تخم، انتہا ہے تخم

میرا یہ سبز رنگ سا پتہ
کیسا خوش رو، نظر نواز ہے یہ
آنکھیں آسودہ، دل بھی خوش دل ہے
آؤ اس کو الٹ کے دیکھو تو
پشت نازک پہ رنگ کیسا ہے
نرم اجلی سی جیسے ریشم ہے
کون سیدھا ہے، کون الٹا ہے
سبزیٔ رخ نظر میں پھرتی ہے
کیا سفیدی نظر میں پھرتی ہے
کس کو چاہوں، کسے میں اپناؤں
ارے دیکھو یہ ننّھی سی پتّی
آنکھ جس کی ابھی کھلی ہی نہیں
کیسی رخسار پر یہ سرخی ہے

سرخ غازہ سے جیسے رنگیں ہے
کرنیں آکر جو اس کو چھوتی ہیں
اور ہوائیں جو اس کو چومتی ہیں
رنگ رخسار پھر بدلتا ہے
کیمیاگر کی حسن کاری سے
رنگ سے رنگ نَو نکلتا ہے
لعل جو تھا وہی زمرّد ہے
رنگ آتا ہے، رنگ جاتا ہے
شکل صورت بدلتی رہتی ہے
کون باقی ہے، کون فانی ہے
رنگ اک بار جو جھلکتا ہے
نقش وہ پھر فنا نہیں ہوتا

یہ کلی ہے جو نیم باز ابھی
مسکراکر یہ پھول بنتی ہے
اس کو سوچو تو ننھّی سی شبنم

صبحدم آ کے کیوں سجاتی ہے
کیسا سیّال سا یہ موتی ہے
کیسا پگھلا ہوا سا ہیرا ہے
زحمت مہر پر یہ لرزاں ہے
ڈرتی رہتی ہے، دل ہراساں ہے
چھوڑو شبنم کو، پھول کو دیکھو
نکہت اس کی ہوا میں پھیلتی ہے
شہپر بو لگا کے اڑتی ہے
رنگ اس کا کہاں سے آتا ہے
رنگ کی اس کے ابتدا کیا ہے
پھر جو دیکھو خزاں کا صید ہوا
رنگ و بو کا نکھار کچھ نہ رہا
کیسا شیرازہ اس کا بکھرا ہے
ہر ورق اس کا لو پریشاں ہے
رنگ اس کا بدل گیا کیسا
طائر بو بھی اُڑ گیا کیسا

رنگ کی انتہا ہے بے رنگی
اسی بے رنگی میں ہے رنگینی
عطر بھولا ہوا فسانہ ہے
ہے معطّر مشام جاں کیسا!

نیستی ہی میں اپنی ہستی ہے
جو عدم ہے وہی بقا بھی ہے
موت سے زندگی نکلتی ہے
موت سے دیکھو کوئی مرتا ہے
مرنے والے جو روز مرتے ہیں
اور ملک عدم کو جاتے ہیں
ان کے میں ساتھ جاتا ہوں
زندگی میں نئی بناتا ہوں
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
مرنے والوں کی زندگی ہے یہی

زندہ رہتے ہیں، زندہ کرتے ہیں
مجھے دنیا میں کھینچ لاتے ہیں
شکنِ زلفِ عنبریں دیکھو
نگہِ چشمِ سرمہ سا دیکھو

جستجو زندگی کا مقصد ہے
جستجو کی کہیں ہے حد کوئی
انتہا جستجو کی بس ہے یہی
جس جگہ سے سفر کا ہو آغاز
سعیٔ پیہم سے صورتِ پرکار
نقطۂ اولیں پہ پھر پہنچیں
ابتدا جو تھی انتہا ہو وہی
ابتدا اپنی دیکھیں اور جانیں
اور اپنا مقام پہچانیں
جو سفر ہے وہی حضر بھی ہے
چال جو ہے وہی سکوں بھی ہے

خامشی جو ہے وہ صدا بھی ہے
جبر جو ہے وہ اختیار بھی ہے
شر کو دیکھو تو خیر بھی ہے وہی

پھول میں شعلے جو لپٹتے ہیں
رنگ کو اس کے تیز کرتے ہیں
بو بھی اس کی لطیف بنتی ہے
پھول سے لیتے ہیں وہ رنگینی
نار کو اپنے نور کرتے ہیں
دہن غنچہ ہے خموش خموش
شعلے کی یہ زباں بھی ہے خاموش

پھول سے شعلے دیکھو وہ لپٹے!
وہ بنے شعلے پھول ہنس ہنس کر!

ابتدا ہے نہ انتہا کچھ ہے

پھول ہے یہ جو دل میں خنداں ہے
ایک شعلہ ہے جو لپکتا ہے

(۱۶)

کیسی یہ بیکلی ہے
یہ اضطراب کیوں ہے
یہ شام کا دھندلکا
اللہ! جانگسل ہے
دل کیوں نہ ہو ہراساں
آخر غریب دل ہے
کیسے سنبھالوں اس کو
پیہم یہ کیوں خلش ہے
کیوں سوزشِ دروں ہے
دل اس کو ڈھونڈتا ہے

جو اپنا آسرا ہو
آنکھوں میں روشنی ہو
دل میں ہنسی خوشی ہو
جاں میں سکون جاں ہو

دیکھو وہ آسماں پر
کس کا ہے روئے روشن
کیا تار نور کا ہے
ذرّوں کو گوندھتا ہے
قطروں کو گوندھتا ہے
یہ آسماں کا تارہ
یہ حسن کا شرارہ
کیسا ہے پیارا پیارا
میرا ہے یہ دل آرا
حسّن سے مئے نظارہ
آنکھوں سے روح تک ہے

کیا محفل فلک میں
تاروں کا جمگھٹا ہے
کیا کیا چمک دمک ہے
کیسی لپک جھپک ہے
جنگل یہ شب کا لیکن
کیسا ڈراؤنا ہے
شر کی یہ سلطنت ہے
ظلمت کی ہے حکومت
خونخوار ہیں درندے
ظلم و ستم کے پھندے
پھیلے ہیں کالے کالے

اٹھتے ہیں میرے تارے
کرنوں کے نیزے لے کر
نیزے ہیں کیسے رخشاں

کیسی ہے تیغ برّاں
ظلمت کے ہیں شکاری
وہ شر کے ہیں شکاری
کیسی صفیں ہیں خالی
کیسے پرے ہیں خالی
دیکھو سیاہ لشکر
برباد ہو رہا ہے

شاید یہ نور والے
ہیں آسماں کے والی
دونوں جہاں کے والی
ہاں آؤ ان کو پوجیں
سجدہ کریں بس ان کو
دل ان کو ڈھونڈتا تھا

پورب میں اب افق سے

وہ کیا ابھر رہا ہے
اک شمع بخت دیجور
اک اخگر سر طور
فانوس نور کا ہے
گنبد وہ حُسن کا ہے
روشن فضا میں دیکھو
کیا نور پھیلتا ہے
آنکھوں میں اب ہے ٹھنڈک
ٹھنڈک ہے جان و دل میں

وہ ننھّے ننھّے تارے
سہمے ہوئے ہیں کیسے
دہشت سے کانپتے ہیں
اب پھول سا وہ چہرہ
کیوں زرد ہو رہا ہے
کمھلا گئی ہیں کلیاں

جھڑ جھڑ کے گر رہی ہیں
تاروں کو کیسے پوجوں
وہ چاند کے ہیں بندے
رونق جو تھی کہاں ہے
اب شان ہے نہ شوکت

اے چاند تونے اپنا
پھیلایا نور کیسا
سارا فلک ہے روشن
ساری زمیں ہے روشن
تیری ہی روشنی کی
کیا منتظر تھی دنیا
کیا چاندنی بچھی ہے
ظلمت نے آج پہنی
کیسی قبائے سیمیں!
اللہ کیا سماں ہے

کیا کیفیت ہے طاری
لو نور جاوداں ہیں
دنیا نہا رہی ہے!

اے چاند تو خدا ہے
سجدہ تجھے روا ہے
آ میں بھی تجھ کو پوجوں
اپنا خدا بناؤں

ہاں چاندنی کا شب بھر
دلکش رہا نظارہ
کیا انبساط ذہنی
کیا انشراح دل ہے
اب بے کلی کہاں ہے
وہ جانکنی کہاں ہے
اب چین ہے، سکوں ہے

ٹھنڈک ، ہنسی خوشی ہے

دیکھو یہ چاند میرا
اب زرد زرد کیوں ہے
اب پھول سا وہ چہرہ
کمھلا سا کیوں گیا ہے
اب یہ چراغ اس کا
کیوں ماند پڑ گیا ہے
جو نور کا تھا چشمہ
اب خاک اڑا رہا ہے
اس اوج آسماں پر
روشن رہا وہ شب بھر
اب کیوں وہ ہو رہا ہے
میری نظر سے روپوش
کیسے میں اس کو پوجوں
کیسے خدا بناؤں؟

پورب میں دیکھو دیکھو
کیسا یہ گل کھلا ہے
اس نیلگوں محل کا
دروازہ کھل رہا ہے
اور اک نگار زرّیں
جلوہ دکھا رہا ہے
چشموں میں ظلمتوں کے
رنگ اب جھلک رہے ہیں
رخشاں ہے اس کی صورت
سوزاں ہے اس کی سیرت
یہ حسن لم یزل ہے
چمکے گا یہ ہمیشہ
کوندے کا یہ ہمیشہ

اے تابناک شعلے

اے پاک پاک شعلے
تو اپنی تیز کر دے
دنیا کو جگمگا دے
ظلمت کو اب مٹا دے
دہشت سے جاں چھڑا دے
آ مشکلوں کو میری
آسان آج کر دے!

میرا نگار زرّیں
روشن رہا فلک پر
ظلمت نے منہ چھپایا
شر نے نقاب ڈالی
لو! خیر کا ہے ڈیرا
ہے ہے نگار زرّیں
کو میرے کیا ہوا ہے
یہ مہر نیمروز اب

مغرب کے وادیوں میں
کیوں جا کے سو رہا ہے
یہ چادرِ شفق ہے
کیوں اس کے خوں سے رنگیں
اللہ! میرا اختر
میرا مہہ منوّر
میرا یہ مہر تاباں
درشن دکھا کے اپنا
روپوش ہو رہا ہے
مشرق تھا جس کا مطلع
مغرب ہے اس کی منزل
کیسا یہ دیوتا ہے
اب کون اس کو پوجے

دل جس کو ڈھونڈتا ہے
وہ ہے ازل سے تاباں

وہ ہے ابد بہ داماں
تارے بنائے اُس نے
کیا ان کو روشنی دی
یہ چاند بھی بنایا
کیا اس کو دلبری دی
سورج بنا کے اس نے
کیا اس کو خُسروی دی
اس نے زمیں بنائی
اس نے فلک بنایا
ظاہر اسی سے روشن
باطن اسی سے رخشاں
اوّل ہے ذات اس کی
آخر صفات اس کی
کیا حد کو پوچھتے ہو
وہ بحر بیکراں ہے!

(۱۷)

کوہ کی رفعت پرواز ذرا دیکھو تو
دور جو پست زمیں سے اٹھ کر
کچھ ستاروں سے کہا کرتی ہے
آج اس سر بفلک چوٹی پر
دیکھو تو عرش بریں سے کس نے
دیوتا لا کے بٹھایا ہے یہاں
کسی نے سنگ گراں سے جیسے
بت یہ پتھر کا تراشا ہے یہاں

کیسی سیدھی سی ہے، سنگیں سی ہے ہونٹوں کی لکیر

جیسے اس کوہ کی پیشانی پر
برف کی ابھری ہوئی ہے تحریر
ہاتھ اس کے ہیں وہ پھیلے ہوئے، پھیلائے ہوئے
گویا گزرے ہوئے کھوئے ہوئے قرنوں کے سبھی
بھولے بھٹکے ہوئے کہساروں کو
وہ ہتھیلی پہ لئے بیٹھا ہے
آنکھیں اس کی نگراں ہیں ہر دم
دور وہ صبح افق کی جانب
جانے کیا دیکھتی ہیں دیکھتی ہیں
دیکھتے دیکھتے جیسے ہوں وہ پتھرائی ہوئی
آئے طوفان کہ بجلی کڑکے
زلزلہ آئے، فلک ٹوٹ پڑے
اس کی پلکیں تو جھپکتی ہی نہیں
یہ کھلی آنکھیں کھلی رہتی ہیں

ارے وہ کون برہمن مرا آیا ہے یہاں

میرے درشن کے لئے
میری پوجا کے لئے
ہاتھوں میں پھول ہیں رنگین رنگیں
اس کے ہونٹوں پہ دعا، اس کی نظر میں الہام
حسن ذات اس نے مرا دیکھا ہے
اور یہ حسن صفت دیکھا ہے
اس کی آنکھوں نے وہ دیکھا جو ہے نظروں سے نہاں
اپنے ان تیز سبک ہاتھوں سے
ان میں جادو ہے، ہنر ہے کیا ہے
میرے رخسار کی سنگین لکیریں لے کر
نئے رخسار بنا دیتا ہے
اک دھنک دیکھو جھلک جاتی ہے
جیسے بجلی سی چمک جاتی ہے
گل صد رنگ مہک اٹھتا ہے
کیسا ہر بار نئی حسن، نئی تزئین ہے

اس کی یہ تیز نگاہیں اللہ!
چیر دیتی ہیں جگر پتھّر کا
جستجو ان کو اگر ہے تو یہی
فکر کی کوشش پیہم ہے یہی
دیکھے اَن دیکھی جو رعنائی ہے
دیکھے بے مثل جو زیبائی ہے
جس کو میں نے بھی نہیں دیکھا ہے
وہ حقیقت جو چھپی بیٹھی ہے
دل میں جو پردہ نشیں بیٹھی ہے
اس کو دیکھے، اسے چاہے، اسے افشا کردے

آؤ اے میرے برہمن، مرے ہمراز قدیم
آؤ اور پاس ذرا بیٹھو تو
اور بتاؤ تو کہ کیا کھوجتے ہو
ہاں کہو کون سا میں راز بتاؤں تم کو
کون سا جلوۂ نادیدہ دکھاؤں تم کو

ارے کیا کہتے ہو، کیا مانگتے ہو
میرے دریا میں صدف کوئی نہیں
دل کے دامن میں گہر کوئی نہیں
شب چراغ ایسا کہاں سے لاؤں
جو ان آنکھوں میں چراغاں کر دے

تم تو واقف ہو کہوں کیا تم سے
کیسے صدیوں کے یہ سب وہم و گماں
بن گئے ہیں مرے چہرے کی نقاب
اس چراغ رخ زیبا میں مرے
جس کی لَو تند ہواؤں سے بجھی جاتی ہے
روشنی کیسی یہ تم ڈھونڈتے ہو
وقت کے قطرے جو ہر لمحہ گرا کرتے ہیں
جو ازل سے ہی گرا کرتے ہیں
وہ مرے ابھرے ہوئے گالوں میں
جُھرّیاں دیکھو بنا دیتے ہیں

جھرّیاں ہیں کہ یہ پرنالے ہیں
وقت کی سیل بہا کرتی ہے

اس برہمن نے کہا: لو یہ مرا آئینہ
کیسا شفّاف ہے روشن بھی ہے
دیکھو اس میں رخِ زیبا اپنا
اپنے رخسار کی یہ گہری لکیریں دیکھو
استخواں دیکھو یہ ابھرے ابھرے
اور لبوں کی یہ خموشی دیکھو
اور یہ صورتِ تنہا دیکھو

جی میں آتا ہے کہ کچھ میں بھی کہوں
تارے جو دل میں بجھے جاتے ہیں
نورِ جاں یہ جو گھٹا جاتا ہے
ظلمتیں آج جو مہمان بنی بیٹھی ہیں
روشنی میں انھیں دیکھوں، انہیں عریاں کردوں

میرے قرآن کی آیات ہوں بیّن ایسی
ساری دنیا انھیں دیکھے اور انہیں پہچانے
بات بن جائے کچھ ایسی کہ بنائے نہ بنے

لو! زباں میری تو کھلتی ہی نہیں
دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہے
بات کچھ ہونے نہیں پاتی ہے

سوچتا ہوں وہ برہمن میرا
کیسا فنکار ہے، صد فن بھی ہے
شعر رنگیں بھی ہے، شاعر بھی ہے

آئے قندیل بیاباں کو فروزاں کر دے
اپنی امّیدوں، تمنّاؤں اور ارمانوں سے
اپنے خوابوں کی مچلتی ہوئی تصویروں سے
فکر روشن کے چمکتے ہوئے آئینوں سے
اپنی تخئیل کے صد رنگ گلستانوں سے
اپنے شعروں سے، قصیدوں سے اور افسانوں سے

آئے اور آکے نکھارے رخ روشن میرا

میرے اس اجڑے ہوئے مندر میں
میرے سنسان کلیساؤں میں
سونے سونے سے ان ایوانوں میں
دیوتا بن کے وہ بیٹھے، وہ رچائے محفل
میری پرنور شعاعوں کو وہ اپنا کرلے

اے برہمن، مرے فن کار عظیم
حسن کاری کو جگاؤ تو ذرا
اپنی صناّعی دکھاؤ تو ذرا
اپنے سبزوں کے زمرّد لے کر
اپنی شبنم کے چمکتے ہوئے گوہر لے کر
اپنے پھولوں کی یہ رنگت لے کر
اپنے رنگوں کی دھنک لے کر
خون دل، خون جگر لے کر
آؤ اس پھیلے ہوئے کہرے میں

اک نئی قوسِ قزح جھلکاؤ
آسماں نکھرے، زمیں پر بھی نکھار آ جائے
ظلمتِ چشم مٹے
نور پھر نور بنے
دل محبت سے بھرے
جسم و جاں رقص کریں، رقص کریں، رقص کریں

اے برہمن مرے ہمدم، مرے دوست
اپنی ہشیار نظر سے تم نے
میرے رخسار کی دھندلی سی جھلک دیکھی ہے
ہوش کی شمع جلا کر تم نے
حسن کی میرے یہ بھٹکی سی کرن دیکھی ہے
اپنے ان تیز سبک ہاتھوں سے
میرے چہرے کی لکیریں جو ہیں پھیلی پھیلی
تم نے دیکھی بھی ہیں پہچانی بھی ہیں
میرے پتھرائے ہوئے چہرے میں

یہ زمرّد کی رگیں
لعل و نیلم کی رگیں
سیم و زر کی یہ رگیں
شاخ در شاخ جو ہیں پھیلی ہوئی ، پھیلی ہوئی
ان کی رنگین جڑیں
ان کی زرین جڑیں
ان کی رخشندہ جڑیں
کس کے دل میں ہیں یہ پوشیدہ ذرا دیکھو تو!

۱۸

(۱)

یہ استخواں جو مرے ہاتھ میں ہے دیکھو تو
کہاں ہیں زلف شکن در شکن کی وہ لہریں
جو کالی ناگنوں کو پیچ و خم سکھاتی تھیں
کبھی وہ جوش میں اٹھ اٹھ کے بل کی لیتی تھیں
کبھی وہ لعل پہ ہونٹوں کے سر ٹیکتی تھیں
کہاں ہیں کالی گھٹائیں جو امڈی آتی تھیں
امڈ امڈ کے نظر میں جو پھیل جاتی تھیں
وہ دام اب ہے کہاں، وہ کمند اب ہے کہاں
وہ دل کہاں ہیں خوشی سے جو آکے پھنستے تھے

کہاں ہے عنبر سارا، وہ کیا ہوا سنبل
یہ استخواں ہے مرا آہ! کیا سفید سفید

مری وہ صبح جبیں کیا ہوئی بتاؤ تو
وہ دلفریب صباحت، وہ کیا لطافت تھی
وہ صبح جس میں تھی صبح ازل کی برنائی
وہ کیسی چاندنی چھٹکی ہوئی تھی، پھیلی ہوئی
اسی سے چاند نے یہ روشنی اڑائی تھی
اسی سے صبح کے تارے میں جان پڑتی تھی
اسی سے زلف سیہ تاب تاب کھاتی تھی
نہ شام زلف، نہ صبح جبیں ہے کچھ بھی نہیں
بس استخواں ہے مرا آہ! کیا سفید سفید

کہاں ہے نرگس شہلا غزال رعنا کی
جو جھپکے وہ تو کہو نیم باز سی ہے کلی
کھلے تو دیکھو کنول جیسے مسکراتے ہیں

وہ پتلیاں تھیں کہ قندیل جیسے روشن ہو
کبھی ستارے سے دیکھو تو جگمگاتے تھے
کبھی وہ دشنۂ مژگاں کو تیز کرتی تھی
کبھی وہی نگہہ سرمہ سا جھپکتی تھی
کبھی وہ شوخی کے پردے اٹھا کے جھانکتی تھی
کبھی حیا کی تھی وہ چلمنیں گرائے ہوئے
وہ جادو تھی کہ چھلاوہ تھی، برق تھی کیا تھی
فسوں بھی تھی وہ فسوں ساز بھی، طلسم بھی تھی

مجھے بتاؤ تو اب کیا ہوئے فسوں اس کے
بتاؤ تو یہ اسے کھا گئی نظر کس کی
یہ استخواں میں مرے دیکھو کیسے روزن ہیں
یہ گہرے گہرے سے، تاریک سے جو روزن ہیں
یہ کھوکھلے سے، یہ پھیلے ہوئے جو روزن ہیں
نہ آنکھیں ہیں، نہ وہ میری نگاہ پُرفن ہے
نہ بجلیاں ہیں، نہ اب وہ مژہ کی چلمن ہے

بس استخواں ہے اور اس استخواں کے روزن ہیں

کہاں ہے وہ گُل رخسار اب بتاؤ تو
وہ موتیوں کے کھرل میں جو لعل پستے تھے
شفق میں جس کی چمکتی تھیں بجلیاں کیا کیا
وہ رنگ و بو ہے کہاں، وہ لطافت اب ہے کہاں
وہ گل کہاں ہے، وہ لالے کہاں، وہ لعل کہاں
یہ ابھرے ابھرے ہوئے استخواں ہیں دیکھو تو
یہ آب و تاب ہے جیسے ہو لولوئے لالہ
یہ پیاری پیاری لکیریں ہیں کیسی نازک سی
یہ حسن کاری ہے کیسی، یہ کس کی صنّاعی!

وہ لعل لب بھی مرے اب نظر نہیں آتے
وہ لب جو لعل بھی تھے، پھول بھی تھے، شعلے بھی
وہ کون دزد تھا، کس نے مرا یہ لعل لیا
خزاں میں پھول بھی میرے یہ جھڑ گئے کیسے

یہ شعلے ایسے بجھے راکھ بھی نہیں ملتی
میں پوچھتا ہوں مرے استخواں بتاؤ تو
وہ ہونٹ کیا ہوئے شربت جو دل میں گھولتے تھے
وہ ہونٹ کیا ہوئے جو میرے ہونٹوں سے مل کر
دل و جگر پہ مرے بجلیاں گراتے تھے

یہ استخواں مرا کیا ہنس رہا ہے دیکھو تو
ہنسی ہے اس کی کہ اک غار ہے مہیب مہیب
جو جھانکو اس میں تو دل بھی ڈرے، نظر بھی ڈرے
نہ زلف ہے، نہ جبیں ہے، نہ نرگس فتّاں
نہ لالۂ گل رخسار ہے، نہ لعل یمن
نہ رنگ و بو، نہ لطافت، نہ حسن و رعنائی
اس استخواں نے بنائے ہیں کتنے افسانے
مرے خیال کی دنیا کو جو بساتے ہیں
مری نگاہوں میں رنگینیاں ابھرتی ہیں
حسین سپنے مرے دل میں پھر سماتے ہیں

یہ استخواں ہے حقیقت، شباب افسانہ!

(۲)

یہ کون ڈھونڈتا ہے میری زلف پر خم کو
وہ میری صبح جبیں، وہ ستارہ سی آنکھیں
وہ لالۂ گل رخسار، وہ لب لعلیں
وہ میرے حسن کی کرنوں کو، میرے رنگوں کو
نگاہ آشنا کس کی تلاش کرتی ہے

یہ میری زلف سیہ رنگ لہریں لے کر
تمہاری چشم جہاں بیں میں جھومتی ہی رہی
وہ کالی کالی سی لہریں، وہ خم بہ خم موجیں
زمیں پہ موجیں، فلک پر وہ کالے بادل ہیں
یہ سنبلوں میں جو ہے پیچ و خم انہیں کا ہے
انہیں کی بو سے مہکتا ہے عنبر سارا
انہیں میں کھاتے ہیں بل ناگ کالے کالے سے

انہیں سے شام نے مانگی ہے یہ ملاحت رُخ
انہیں سے مانگی ہے شب نے سیاہئ شب بھی
وہ زلف مانگتے کیوں ہو اب استخواں سے مرے
وہ زلف چاہنے والوں کے دل میں بستی ہے
یہ دیکھو چشم تماشا میں جھومتی ہے وہ زلف
وہ زلف پھیلی ہوئی ہے نظر میں اور دل میں
وہ زلف پھیلی ہوئی ہے تمام عالم میں
وہی ہے موج، وہی ناگ ہے وہی سنبل
وہی ہے عنبر سارا، وہی ہے ابر سیہ
وہی ہے شام غریباں، شب وصال وہی!

مری وہ صبح جبیں بھی ہے کیسی نکھری ہوئی
وہ صبح جھانکتی ہے پردہائے ظلمت سے
سیاہ پردوں کو کیا تار تار کرتی ہے
وہی گہر میں ہے یہ آب و تاب اگر سمجھو
سفید پھولوں میں اس کی سفیدی بھرتی ہے

یہ دیکھو کیسا سمن زار لہلہاتا ہے!
یہ آبشاروں کی جو بچھ رہی ہے چادر سی
وہ کوہ پر جو ہے ابھری سی برف کی تحریر
یہ چاندنی میں جو ہے چاندنی سی چھٹکی ہوئی
کہیں وہ صبح جبیں میری شام ہوتی ہے!

چمک چمک مری صبح جبیں چمکتی جا
چمک کے شعلۂ ہستی کو جگمگائے جا
چمک کے حسن ازل کو بھی جگمگائے جا!

وہ میری آنکھیں تمہاری نظر میں پھرتی ہیں
تمہارے دل میں، تمہاری وہ جاں میں بھرتی ہیں
سفیدی ان کی ابھرتی ہے حسن روشن میں
سیاہی ان کی سویدا ہے دل میں عاشق کے
یہ استخواں میں جو روزن ہیں ان کو چھوڑو بھی
چمن میں دیکھو یہ نرگس کی آنکھ کھلتی ہے

نہیں یہ نرگسِ شہلا، یہ میری آنکھیں ہیں
بڑی بڑی سی یہ آنکھیں غزالِ صحرا کی
یہ میری آنکھیں ہیں میں دیکھتی ہوں مجنوں کو
یہ ننھے جگنو جو روشن ہیں صحنِ گلشن میں
وہ روشنی مری لے لے کے یوں چمکتے ہیں
ستاروں نے بھی چمک لی ہے میری آنکھوں سے
مری ان آنکھوں سے روشن ہے بزمِ ہستی بھی!

ذرا اٹھاؤ نظر کیسے نازنیں ہیں یہاں
نظر میں ان کی جو شوخی ہے، دلبری بھی ہے
یہ شوخ شوخ ادائیں حیا کے پردے ہیں!
جو سمجھو تم تو ان آنکھوں میں میری آنکھیں ہیں
وہ دیکھتی ہیں تو میری نظر سے دیکھتی ہیں

کہاں ہے وہ گلِ رخسار، وہ لبِ لعلیں
یہ استخواں سے مرے آج پوچھتے کیوں ہو

کہیں یہ لعل مرے اور یہ لالے مٹتے ہیں

یہ کیسے کیسے، یہ کتنے ہیں لالہ رُخ خنداں
جدھر بھی دیکھو لب لعلیں مسکراتے ہیں
چمن میں کیسا ہے یہ لال رنگ کا انبار
یہ ارغواں بھی ہیں، لالے بھی ہیں، گلاب بھی ہیں
زمیں پہ کیسے یہ لعل و عقیق و مرجاں ہیں
فلک پہ بکھری ہوئی ہے شفق کی رنگینی
وہ لالہ رُخ بھی ہے اور اس کے لب ہیں لعل یمن
یہ پھول کھلتے ہیں، کھلتے رہیں گے دنیا میں
یہ لعل کیسا دمکتے ہیں اور دمکیں گے
شفق دکھائے گی ہر شام لالہ گوں رخسار
یہ لعل لب یہ مرا لالۂ گل رخسار
بھلا اجل کے مٹائے کہیں یہ مٹتا ہے

(۳)

دھنک یہ وقت کی دیکھو جھلکتی ہے کیا کیا

یہ کیسے رنگ بکھرتے ہیں آؤ دیکھو تو
فلک پہ رنگ ہیں، میری زمیں بھی رنگیں ہے
نظر میں رنگ ہے، یہ جان و دل بھی رنگیں ہیں
دھنک جھلکتی ہے اور یہ جھلکتی جائے گی
ازل میں جھلکی تھی اور یہ جھلکتی آئی ہے
بھلا کسی کے مٹائے کہیں یہ مٹتی ہے

یہ دائرہ جو دھنک کا بنا ہے رنگوں سے
اسی پہ دیکھو چمکتے ہیں قمقمے کیا کیا
یہ اوس صبح کو سبزوں پہ جو چمکتی ہے
یہ کلیاں صبح چمن میں جو گل کھلاتی ہیں
یہ رنگت ان کی ہوا میں جو دور پھیلتی ہے
یہ بو جو دوشِ ہوا پر سوار پھرتی ہے
یہ بلبلوں کا چہکنا گلوں کے پہلو میں
یہ ڈالیوں کا لچکنا ہوا کے جھونکوں سے
یہ گنگنانا سرِ شام بہتے چشموں کا

یہ آبشاروں کے نغمے، یہ بادلوں کا خرام
بساطِ دشت پہ رک رک کے یہ رمِ آہو
شرابِ رنگ لٹاتا شفق کے ساقی کا
یہ چاندنی کا چھٹکنا، ستاروں کی یہ چمک
مری یہ زلفِ مسلسل، مری یہ صبح جبیں
مری یہ نرگسی آنکھیں، یہ دشنۂ مژگاں
مرے یہ عارضِ روشن، لہکتے شعلوں کے پھول
مرے یہ ہونٹ جو اک پنکھڑی گلاب کی ہیں
مرا یہ سینۂ پرکیف اور اس کا ابھار
یہ پتلی پتلی کلائی جو شاخِ صندل ہے
اور اس پہ یہ جو جھلکتا ہے پنجۂ مرجاں
یہ میری قامتِ لرزاں، خرامِ مستانہ۔

یہ قمقمے ہیں کہ جن کے بدلتے رنگوں سے
سجائی جاتی ہیں قوسِ قزح کی محرابیں
دھنک جھلکتی رہے گی فضائے رنگیں میں

یہ قمقمے بھی بناتے رہیں گے محرابیں
دھنک ہے باقی، مرے قمقمے بھی باقی ہیں
ذرا گھماؤ تو اس دائرے کو پھر دیکھو
وہ میری زلف مسلسل، وہ میری صبح جبیں
وہ میری نرگس فتّاں، وہ دشنۂ مژگاں
وہ لالۂ گل رخسار، وہ لب لعلیں!

(۱۹)

شبِ ہجراں کی سحر ہوتی ہے
زندگی موت سے لو ملتی ہے

دوست بیٹھے ہیں، اعزّہ ہیں کھڑے
منتظر ہیں کہ اجل آ جائے
کوئی قرآن لئے بیٹھا ہے
حرزِ ایمان لئے بیٹھا ہے
کوئی تعویذ لئے آتا ہے
دیکھو کیسی وہ دوا لاتا ہے
کوئی کہتا ہے کہ توبہ کرلو

اب گناہوں سے تو دامن دھولو
کوئی دوزخ سے ڈراتا ہے مجھے
زندہ شعلوں میں جلاتا ہے مجھے
کوئی جنّت کی ہوا دیتا ہے
حور و غلماں سے ملا دیتا ہے
کیسے تم دوست ہو، واعظ نہ بنو
چارہ گر چارہ گری کچھ تو کرو

موت کیوں روٹھی ہوئی ہے مجھ سے
کس لئے دیر لگا رکھّی ہے
ہاں نہ گھبراؤ یہ دم جاتا ہے
دیکھو وہ پیکِ اجل آتا ہے
کیوں یہ سرگوشیاں آپس میں ہیں
کیسی خوشش فعلیاں آپس میں ہیں
پوچھتے کیا ہو کہ دنیا کیا ہے
زندگی کیسی، محبّت کیا ہے

جانتا ہوں کہ گنہہ گار ہوں میں
بار عصیاں سے گراں بار ہوں میں
شرم ہے کچھ نہ ندامت ہے مجھے
وہ جو حسرت تھی وہ حسرت ہے مجھے
آہ! دریائے معاصی میرا
کیا تنک آب تھا، پایاب ہوا

اے مرے دوست وہ دن یاد کرو
پس پردہ وہ کرن یاد کرو
برق تھی وہ کہ چھلاوہ تھا کوئی
طور کا بھٹکا شرارا تھا کوئی
کیسی چلمن اسے فانوس کہو
شمع روشن ہے ذرا دیکھو تو
کس نے جھانکا یہ مجھے چلمن سے
برق چمکی نگہہ پُرفن سے
میرے دل پر وہ گری، جاں پہ گری

دل تو جلنا تھا جلا، جاں بھی جلی
ہوش کس کو کہ سنبھالے دل کو
اب کوئی ہے جو بچالے دل کو
جاں مری شعلہ بہ پیراہن ہے
یہ رگیں۔ جلتا ہوا ایندھن ہے

آتش حسن جو روپوش ہوئی
برق جو چمکی تھی خاموش ہوئی
ہوش پھر اٹھا سنبھالا لے کر
صبر کا آہ! سہارا لے کر
تم بھی تو ساتھ تھے ہاں یاد آیا
کیا کہوں میں تمہیں کیسا پایا
آہ لب پر تھی، فغاں تھی دل میں
آتش عشق تپاں تھی دل میں
کیسا وہ تیر نگہہ تھا اللہ!
ایک ہی وار میں دو صید تھے واہ!

میں اسیر اس کا، وہ میری تھی اسیر
کیسا صیّاد، کہاں کی زنجیر
نامہ بر لایا پیام عشرت
کیسی اللہ! یہ چمکی قسمت
یاد ہے پہلی ملاقات کا دن
عید کا دن، مری معراج کا دن
رشتہ داروں کی نظر سے کیسے
چھپ کے آئی تھی چمن میں میرے
مثل بُو گل سے نکل آئی تھی
مے تھی ساغر سے چھلک آئی تھی
حسن سادہ تھا وہ اس کا پرکار
نہ تو سرمہ تھا، نہ غازے کا غبار
شوق آرائش کا کل بھی نہ تھا
پیاری زلفوں میں ابھی خم بھی نہ تھا
آنکھوں میں شوخی تھی شرمائی ہوئی

لب پہ رکتی تھی ہنسی آئی ہوئی
گال اس کے تھے صباحت داماں
جن میں تھا ہلکی سی سرخی کا نشاں
پلکیں اس کی تھیں وہ لمبی لمبی
پس چلمن وہ نگہہ جھانکتی تھی
تیر مژگاں میں جو تلوار نہ تھی
آنکھوں میں حسن کی للکار نہ تھی
ہونٹوں پر دعوت بیکار نہ تھی
دل میں کچھ عشق کی جھنکار نہ تھی
اک کلی تھی جو کِھلا چاہتی تھی
پھول بننا تھا بنا چاہتی تھی
تازگی بھی تھی، نزاکت بھی تھی
کیسی نوخیز لطافت بھی تھی
پتلی پتلی وہ کلائی اس کی
انگلیاں تھیں کہ نزاکت کی پری
ابھرا ابھرا سا وہ سینہ اس کا

دل کی دھڑکن سے لرز جاتا تھا

حسن کی اپنے خبر اس کو نہ تھی
بے خبر ایسی تھی بھولی بھالی
عشق کا نام اسے معلوم نہ تھا
سوز ناکام اسے معلوم نہ تھا
ایک غنچہ تھی چٹک جاتی تھی
ایک بلبل تھی چہک جاتی تھی
کچھ جوانی تھی مچلتی دل میں
جانے چاہت تھی یہ کیسی دل میں
ولولے تھے، اسے معلوم نہ تھا
زمزمے تھے، اسے معلوم نہ تھا
کچھ لجائی سی تھی شرمائی سی تھی
اپنی بیباکی پہ گھبرائی سی تھی

میں نے اس سے کہا: دیکھو تو ذرا

کیسا یہ باغ ہے نکھرا نکھرا
دیکھتی ہو یہ چمن آرائی
حسن صد رنگ کی یہ رعنائی
کیسے یہ پھول ہیں بھولے بھالے
مستئ حسن سے ہیں متوالے
لو گلابوں کی وہ رنگت دیکھو
اور چنبیلی کی یہ خوشبو سونگھو
دیکھو شبنم کا چمکنا دیکھو
بلبلوں کا یہ چہکنا دیکھو
کیسا پر کیف ہوا کا ہے خرام
مستئ بو کا لنڈھاتی ہے جام

جسم نازک بھی تمہارا ہے چمن
دیکھو، دکھلاؤ یہ رنگیں گلشن
دیکھو سنبل بھی ہے، سوسن بھی ہے
یاسمن، نرگس پر فن بھی ہے

موتیا بھی ہے ، چنبیلی بھی ہے
نازبو بھی ہے ، یہ جوہی بھی ہے
کیسی رنگت ہے یہ ہلکی ہلکی
کیسی خوشبو ہے یہ بھینی بھینی
لب پہ طائر سے چہک جاتے ہیں
آنکھوں میں جگنو چمک جاتے ہیں

کیا کہا تم نے میں دیوانہ ہوں
یہ جو مجنوں سا میں یوں بکتا ہوں
اے مرے دوست یہ کیا کہتے ہو
پارسا اب نا بنے بیٹھے ہو
اِتّقا پر ہے یہ غرّہ تم کو
اب نصیحت ہی کیا کرتے ہو
یاد ہیں تم کو وہ نیلی آنکھیں
دل کی صیّاد وہ پیاری آنکھیں
اک نظر میں جو پھنسا لیں دل کو

پھر چھڑائے نہ وہ چھوڑیں دل کو
کیسی بیدرد تھیں بڑّاں آنکھیں
دکھ کا پھر بن گئیں درماں آنکھیں
انھیں آنکھوں نے پھنسایا تھا تمہیں
اپنا دیوانہ بنایا تھا تمہیں
چشم گریاں تھی تو چہرہ تھا زرد
دل میں رہ رہ کے وہ اٹھتا تھا درد
کرتے تھے چاک گریباں کیا کیا
لب پہ تھے نالۂ و افغاں کیا کیا
خاک بر سر وہ پھرا کرتے تھے
صبح و شام آہ و بکا کرتے تھے
نیلی آنکھوں میں بھی رحم آ ہی گیا
ہاں بلایا تمہیں پھر پیار کیا
پیار کرنا بھی سکھایا تم کو
گُر محبّت کا بتایا تم کو
ماہر عشق بنایا تم کو

کیوں یہ شرماتے ہو، گھبراتے ہو
راز افشا نہ کروں گا اچھّا
ہاں میں کہتا تھا، میں کیا کہتا تھا
حسن کو اس کے چمن کہتا تھا
وہ مری باتوں کو سُنتی ہی رہی
آئینہ تھی، مجھے تکتی ہی رہی
اک تبسّم سا بہک جاتا تھا
رخ پہ لالہ سا لہک جاتا تھا
اک خوشی تھی کہ اُبل جاتی تھی
سانس رہ رہ کے اچھل جاتی تھی
میں نے ہاتھ اس کا لیا ہاتھوں میں
رام پھر اس کو کیا باتوں میں
اس کو کچھ پیار کیا، ہلکا سا
ہاتھ سینے پہ رکھا، ہلکا سا
اس کے بالوں کی وہ خوشبو سونگھی

اس کے گالوں کی وہ رنگت دیکھی
اس کے ہونٹوں سے ذرا ہونٹ سلے
لب شیریں نے وہ شربت گھولے
دل بیتاب کو مہمیز ہوئی
عشق کی آگ غضب تیز ہوئی
میں نے سبزوں پہ لٹایا اس کو
عشق کا راز بتایا اس کو
میں نے ہنس ہنس کے جو کپڑے کھولے
شرم سے چپ تھی وہ کیسے بولے

کیا کہا میں یہ دوا اب پی لوں
فائدہ کیا، وہ دوا ہو کہ فسوں
موت سے دیکھو بچا ہے کوئی
موت کی دیکھو دوا ہے کوئی
ہاں دوا ہو تو ذرا لاؤ تو
کوئی جادو ہو اسے کر دیکھو

فرصت کم ہیں جو مہلت مل جائے
دل کو پھر عشق کی دولت مل جائے
شمع الفت کو فروزاں کر لوں
پھر محبّت کو چراغاں کر لوں
تم تو اے دوست طبیب دل ہو
اپنی حکمت سے بچا لو مجھ کو
تم بھلا کیسے بچاؤ گے مجھے
تم نے دل کو نہ بچایا اپنے
یاد ہیں تم کو سنہری زلفیں
کیسے لہراتی تھیں، بل کھاتی تھیں
عشق کی لہر اٹھا کرتی تھی
کہیں ٹالے وہ ٹلا کرتی تھی
بھڑکی وہ آگ بجھائے نہ بجھی
بات وہ بگڑی بنائے نہ بنی
اپنے اس دل کو تو چنگا کر لو
روگ کا جاں کے مداوا کر لو

ہاں میں کہتا تھا، مجھے کہنے دو
حسن عریاں کو جو عریاں دیکھا
ضبط کا آہ! کسے تھا یارا
دل تڑپتے تھے جو مثل سیماب
میں بھی بیتاب تھا، وہ بھی بیتاب
اس کی آنکھوں میں ستارے نکلے
اس کی سانسوں سے شرارے نکلے
کیا سسکتی تھی، سمٹ جاتی تھی
کانپتی تھی وہ لرز جاتی تھی
پھر گلے سے وہ لپٹ جاتی تھی
جانے پھر دل میں گماں کیا گزرا
شرم نے اس کا جو داماں پکڑا
یوں وہ کہنے لگی: اب جانے دو
دیکھو ڈھاؤ نہ غضب جانے دو
میں نہ سمجھی تھی محبّت یہ ہے

میں نہ سمجھی تھی اذیّت یہ ہے
اک ذرا چین تو لینے دو مجھے
مِنّتیں کرتی ہوں چھوڑو تو مجھے
سانس کو اپنی بچھا لوں تو ذرا
دل کی دھڑکن کو سنبھالوں تو ذرا
دل بیتاب نے پر کچھ نہ سنی
پھر جو ہونی تھی وہی بات ہوئی
دل میں اک زلزلۂ عشق آیا
یہ زمیں کانپی، فلک کانپ اٹھا
رخش انجم کو جو مہمیز ہوئی
مہ و خورشید کی لَو تیز ہوئی

لو یہ تاریکی ہے کیسی چھائی
شمع کیوں جلتی ہے دھیمی دھیمی
ایک گہرا سایہ پھیلا کیوں ہے
چہرے اب کیوں ہیں یہ دھندلے دھندلے

باتوں کے ساز ہیں ہلکے ہلکے
دور بہتے ہیں کہاں یہ چشمے
ارے یہ کون ہے بالیں پہ کھڑا
ہے یہ روشن رخ زیبا کس کا
پتلیوں میں وہ ستارے جھلکے
گل رخسار میں لالے لہکے
لب رنگیں یہ جھکے آتے ہیں
ہونٹوں سے ہونٹ ملے جاتے ہیں
عید کی صبح ہے، معراج کا دن!

۲۰

کیوں مری جان یہ غمگیں سی بنی بیٹھی ہو
چہرہ کیوں زرد ہے، کیوں رنگ اڑا جاتا ہے
سسکیاں کیوں ہیں، یہ بے چینی بتاؤ کیوں ہے
ننّھا ننّھا سا یہ دل اتنا دھڑکتا کیوں ہے
پیاری آنکھوں میں بھرے آتے ہیں آنسو کیسے
لب رنگیں پہ تبسّم کے وہ اب پھول کہاں
وہ جواں خوشیاں ہیں کیوں آج نظر سے روپوش

کیا کہا: آج ہے یہ پہلی ملاقات کی رات
کیسی نادان ہو، یہ بھی ہے کوئی رنج کی بات

یہ خوشی کی ہے گھڑی، شاد ہو، دل شاد رہو
حسن آباد رہے، عشق بھی آباد رہے
میں ڈری تھی کہ نظر لگ گئی کیسی تم کو
مجھ کو خدشہ تھا کہ دشمن کہیں بیمار نہ ہوں
مجھ کو دھڑکا تھا کہ وہ عہد وفا توڑ نہ دے

آؤ، اٹھو بھی، ہنسی چہرے پہ جھلکاؤ تو
بلبلیں باتوں کی اب ہونٹوں پہ چہکاؤ تو
دست نازک یہ بھلا کیوں ہوں حنا سے رنگیں
کوئی ہاتھوں میں اگر لے نہ انھیں پیار کرے
کیوں کسی صبح جبیں پر یہ ستارے جھلکیں
حسن زرّیں سے اگر کوئی نہ آنکھیں سینکے
روز آرائش کاکل یہ بھلا کون کرے
اور یوں طرۂ پیچاں کو بھی پُر پیچ کرے
دل اگر اس میں کسی کے نہ پھنسیں آ کر ے
گل رخسار میں یہ لالے بنائے پھر کیوں

کوئی دیکھے نہ اگر اور نہ خوشبو سونگھے
تیر مژگاں کو کوئی سرمہ سے کیوں تیز کرے
دل کو چھیدے نہ اگر اور نہ جگر برمائے
لب رنگیں کو یہ لعلوں سے سجائے پھر کیوں
کوئی چومے نہ اگر اور نہ آنکھوں سے لگائے
ابھرے ابھرے ہوئے سینے کو ابھارے پھر کیوں
اسے ہاتھوں کے پیالوں میں اگر کوئی نہ لے

تم تو نادان ہو یہ راز ابھی کیا جانو
حسن رعنا کے تقاضوں کو بھلا کیا سمجھو
حسن روشن کی جو صد رنگ بہاریں ہیں یہ
ان کے لب پر ہے یہ للکار اگر سمجھو تو:
کوئی آئے مری زلفوں سے ذرا کھیلے تو
کوئی آئے مری آنکھوں کو ذرا دیکھے تو
بجلیاں عارض روشن کی وہ چمکیں دیکھو
میرے ہونٹوں سے مئے ناب وہ چھلکی دیکھو

میری نظروں سے وہ تیر اور وہ دشنے برسے
کوئی ہے ان سے جو آنکھوں کو سمجھے، دل کو سمجھے

دیکھو دیکھو وہ طلبگار جو تھا آ ہی گیا
جنس دل کا وہ خریدار جو تھا آ ہی گیا
حسن سادہ کا وہ زرتار سنگار آ ہی گیا
عشق سرمست پہ دیکھو تو نکھار آ ہی گیا

کیسی یہ یادیں مرے دل میں ابھر آئی ہیں
صورتیں کیسی مری آنکھوں میں اب پھرتی ہیں
دل میں کیسا یہ قلمکار کوئی بیٹھا ہے
اپنے قلموں سے جو تصویریں بنا دیتا ہے
ان میں پھر رنگ بھی اور جان بھی بھر دیتا ہے
چلتی پھرتی ہوئی خوش رنگ یہ تصویریں ہیں!

آج ہے پہلی ملاقات کی وہ رنگیں رات!

میں ہوں گھبرائی ہوئی، دل بھی ہے گھبرایا ہوا
رنگ رخسار سے دیکھو تو اڑا جاتا ہے
آج یہ دل مرا رہ رہ کے دھڑک اٹھتا ہے
مجھ کو معلوم نہیں پہلی ملاقات ہے کیا
واردات آج جو ہونے کو ہے وہ بات ہے کیا
میں نہ سمجھی تھی جوانی کی مصیبت کیا ہے
میں نہ سمجھی تھی محبّت میں اذیّت کیا ہے
حسن کی شمع جو جلتی ہے تو کیوں جلتی ہے
اور آ آکے یہ پروانے تڑپتے کیوں ہیں
میں نہ سمجھی تھی یہ آرائش محفل کیوں ہے
میں نہ سمجھی تھی مجھے اتنا سنوارا کیوں ہے
حسن سادہ کو یہ صدرنگ بنایا ہے کیوں ہے
لو! یہ کیوں چھوڑ کے سب مجھ کو چلے جاتے ہیں
میری ننّھی سی یہ جاں اتنی پریشاں کیوں ہے
میری بلبل کا قفس میں یہ تڑپنا کیوں ہے
سوچتی ہوں میں کہ یہ آج تماشا کیا ہے

جانے کیا ہوتا ہے اور دیکھئے ہوتا کیا ہے
دل کو سمجھاتی ہوں، بہلاتی ہوں، پھسلاتی ہوں
کبھی یہ شعر بھی غالبؔ کا سنا دیتی ہوں
دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک!

آہ! دروازے کو یہ دیکھو تو کھولا کس نے
کوئی آیا مرے پاس اور وہ بیٹھا مرے پاس
اور کہنے لگا: اف اتنی پریشاں کیوں ہو
سنو یوں ننّھے سے دل کو تو نہ ہلکان کرو
میں تمہارا ہوں، یہ کیوں مجھ سے کھنچی جاتی ہو
ہاں سنو تم کو بتاتا ہوں محبّت کیا ہے
یہ جوانی جو تمہاری ہے جوانی کیا ہے
ولولے کیا ہیں، تمنّائیں ہیں کیا، ارماں کیا
حسن اور عشق میں جو ربط نہاں ہے کیا ہے

اس نے جو باتیں بتائیں، مجھے معلوم نہ تھیں
اس نے جو راز سکھائے، مجھے معلوم نہ تھے
اس نے سکھلایا مجھے، میں نے خوشی سے سیکھا
اس نے دکھلایا مجھے، میں نے خوشی سے دیکھا
اس نے جو مجھ کو دیا میں نے لیا ہنس ہنس کر
اس نے جو مانگا وہ میں نے بھی دیا ہنس ہنس کر
اس نے وہ جادو جگائے میں کہوں اب کیسے
میرا یہ جسم تھا جیسے کہ ہو ساز لرزاں
اس نے جو نغمے سکھائے وہی نغمے نکلے
اس نے جو گیت بتائے وہی لب سے چھلکے

کیا اذیّت تھی، تپش تھی، مری جنّت بھی تھی
کیا کہوں کیسا خزانہ یہ مرے ہاتھ آیا
ایسا یہ گنج گراں مایہ تو قاروں کو نہ تھا
حسن کی دیکھیں بہاریں جو نہ دیکھی تھیں کبھی
بجلیاں عشق کی چمکیں جو نہ چمکی تھیں کبھی.

اس نے دل اپنا دیا اور مجھے کیا کیا نہ دیا
اس نے نیلم بھی دیئے، لعل و زمرّد بھی دئے
اس نے گوہر بھی دیئے اور یہ ہیرے بھی دئے
کیسے مرمر کے محل، کیسے یہ رنگیں گلشن
میں نے سیکھا ہے جو کچھ اس نے سکھایا مجھ کو
میں جو کچھ جانتی ہوں اس نے بتایا مجھ کو
پاس میرے جو یہ سب کچھ ہے اسی کا ہے دیا

آؤ اب دوسری تصویر دکھاتی ہوں میں
میں سرِشام لبِ بام تھی نظّارہ کناں
محوِ نظّارہ تھی اور خود بھی تماشا تھی میں
آنکھیں مشتاقوں کی للچائی ہوئی دیکھتی تھیں
حسن کو دیکھتی تھیں، اس کی پھبن دیکھتی تھیں
میں نے مشتاق نگاہوں کو نہ دیکھا لیکن
جیسے اس نذرِ محبّت کی خبر مجھ کو نہ تھی
جیسے میں رسم و رہِ عشق سے آگاہ نہ تھی

ارے یہ کس کی نگاہیں مجھے اب دیکھتی ہیں
کیسی آنکھیں ہیں کہ بس مجھ کو تکے جاتی ہیں
کیسی مغرور بھی، طرّار بھی یہ آنکھیں ہیں
کیسی مخمور بھی، ہشیار بھی یہ آنکھیں ہیں
میری آنکھیں بھی کھنچیں اور مرا دل بھی کھنچا
کیسا بیباک تھا وہ، دل میں مرے در آیا
اس نے دستک بھی نہ دی اور اجازت بھی نہ لی
کیا دلیرانہ وہ گھس آیا اور آتا ہی گیا
کس کو طاقت تھی اسے روکے، اسے منع کرے
کس کو ہمّت تھی کہے دل میں خبردار نہ آؤ
حُسن جانسوز کا بیباک نظارہ نہ کرو
گلشن جاں میں دلیرانہ نہ گلگشت کرو
میرے سبزوں کو نہ روندو یہ بھلا کون کہے
میری کلیوں کی خبردار نہ خوشبو سونگھو
میرے پھولوں کو نہ توڑو، مرے نغمے نہ سنو

اس نے جس چیز کو چاہا اسے دیکھا سونگھا
اس کی آنکھوں سے برستی تھی جوانی کیا کیا
اس کے رخسار میں ہنستی تھی جوانی کیا کیا
اس کے ہونٹوں پہ مچلتی تھی جوانی کیا کیا
اس کے سینے میں دھڑکتی تھی جوانی کیا کیا
خسرو حسن تھا وہ اور میں اس کی شیریں
جوئے شیر اس نے بہائی مری جاں میں کیا کیا
میرا مجنوں بھی وہی تھا، مرا وامق بھی وہی

کیسی تصویر نئی اب یہ نظر آتی ہے
حسن کا ننّھا سا، کھویا سا شرارا یہ ہے
کس چمن کا ہے یہ غنچہ جو کھلا چاہتا ہے
کیسی نوخیز لطافت ہے، صباحت بھی ہے
اس کے ہونٹوں پہ ہنسی آتی ہے گھبرائی ہوئی
اس کی نظروں میں حیا بھرتی ہے شرمائی ہوئی
وہ بھی معصوم ہے اور اس کی ادا بھی معصوم

دل بھی معصوم ہے اور اس کی تڑپ بھی معصوم
اس کو معلوم نہیں عشق ہے کیا، حسن ہے کیا
اس کو معلوم نہیں سوز ہے کیا، ساز ہے کیا

میں جو اک روز پسِ پردہ کھڑی جھانکتی تھی
کیا نگاہوں کی کمندیں تھیں، چلی آتی تھیں
ان کو میں دیکھتی تھی، جانتی، پہچانتی تھی
دیکھو دیکھو تو وہ حیراں سی نظر کس کی ہے
حیرتی سا ہے یہ آئینہ تکا کرتا ہے
اس کی آنکھیں ہیں ابھی سوئی ہوئی، سوئی ہوئی
اس کے احساس کو بھی نیند سی ہے آئی ہوئی
اس کی ناسمجھی میں ہے ایک سمجھ کی بھی کرن
اس کی بے خبری میں بیدار ہے ہشیاری بھی
اس کو میں نے جو بلایا وہ چلا آیا تو
کیسا کیسا تھا لجایا ہوا، شرمایا ہوا
اپنی بیبا کی پہ دل اس کا نِھا گھبرایا ہوا

اس کی سوئی ہوئی نظروں کو جگایا میں نے
رازِ احساسِ جمال اس کو بتایا میں نے
حسن کے ناز و کرشمے بھی دکھائے میں نے
عشق کے تازہ جو جادو تھے جگائے میں نے
اس کے ہونٹوں پہ جو بجلی سی گرائی میں نے
ہونٹوں پر گر کے وہ پھر ہونٹوں سے دل میں پہنچی
دل کی دھڑکن جو بڑھی۔ بڑھتی گئی، بڑھتی گئی
ناشگفتہ سا جو غنچہ تھا وہ کیسا پھول بنا
کیسا نکہت کا تلاطم ہے ذرا دیکھو تو
کیسا رنگوں کا تموّج ہے ذرا دیکھو تو
آسماں پر وہ جھلکتی ہے دھنک دیکھو تو
اور زمیں عطر لٹاتی ہے ذرا دیکھو تو
رنگ و بو میں یہ نظر اور یہ جاں بھی ڈوبی!

○

۲۱

جو کانٹے نہ ہوں گل کو پھر کون سونگھے
جو پتھر نہ ہوں کون ریشم سے لپٹے
جو ظلمت نہ ہو روشنی کون دیکھے
جو آنسو نہ ہوں کون پھر مسکرائے
نہ غم ہوں تو دل کیسے خوشیاں منائے
یہ پستی دکھاتی ہے راہ بلندی
برائی سکھاتی ہے کیا کیا بھلائی
عدم سے ابھرتی ہے یہ نبض ہستی
اجل سے بکھرتی ہے کیا زندگانی
یوں ہی یہ گھڑی دل کی چلتی رہی ہے

زمیں آسماں میں، مکاں لامکاں میں
یہی اک گھڑی ہے جو چلتی رہے گی

یہ کیسا قلمکار حسن ازل ہے
بنائی جو رنگیں سی، زرّیں سی دنیا
محبّت یہ کہتے ہیں اس کی بِنا ہے
محبّت مسبّب، محبّت سبب ہے
محبّت میں اضداد دیکھو کہاں ہیں
تخالف کہاں ہے، تناقض کہاں ہے
محبّت میں کثرت سے بنتی ہے وحدت
نقوش تباین میں پلتی ہے وحدت

یہ سچ ہے مگر چشم بینا کو کھولو
تضاد اور تخالف کی دنیا کو دیکھو
بہار و خزاں ہیں کہ توام ہیں دونوں
یہاں خار اور پھول ہمدم ہیں دونوں

وہ ہونٹوں پہ دیکھو ہنسی کھیلتی ہے
تو آنکھوں سے دیکھو یہ آنسو رواں ہے
کبھی نیند لاتی ہے سندر سے سپنے
وہ پھولوں کی نکہت، وہ ریشم کی نرمی
کھلی آنکھ پھر کیا بھیانک سی صورت
گرجتی، بپھرتی ہوئی دوڑتی ہے
کبھی ابر رحمت ہے یوں سایہ افگن
کہ ٹھنڈک ہے اللہ! قلب ونظر میں
امڈتا ہے طوفاں کبھی بحر و بر میں
نہنگ بلا کی طرح جان لیوا
غضب کی ہے یہ برف کی ژالہ باری
ٹھٹھرتا ہے دل، جاں بھی سہمی ہوئی ہے
اُدھر آہ! کیسی ہے شعلہ فشانی
بدن راکھ ہے دل کو کیا ڈھونڈتے ہو
جہاں روشنی روشنی لے کے آئی
تو ظلمت نے بھی اپنی زلفیں سنواریں

کبھی نورِ ایماں سے روشن ہے دنیا
کبھی ظلمتِ کفر ہے ظلمت افشاں
کہیں بیخودی ہے، کہیں ہوشیاری
سکوں ہے کسی کو تو گردش کسی کو
کوئی مہرباں، کوئی نامہرباں ہے
امارت اٹھاتی ہے مغرور سر کو
تو غربت کی گردن یہاں جھک رہی ہے
کوئی تاج بر سر کہیں حکمراں ہے
کوئی اپنی کملی میں لپٹا پڑا ہے
ہوا پر کسی کا جو تخت رواں ہے
زمیں پر پڑا کوئی لو رینگتا ہے
کہیں زندگی ہے مچلتی نکھرتی
کہیں موت پتھر کی سل سی دھری ہے

زمیں پر یہی جال پھیلا ہوا ہے
ورائے زمیں بھی یہی سلسلہ ہے

جو فردوس دیکھی تو دوزخ بھی دیکھو
یہ عرش معلّٰی وہ تحت الثّریٰ ہے
اِدھر جبرئیل اور شیطاں اُدھر ہے
اِدھر اہرمن ہے تو یزداں اُدھر ہے
یہ اسمائے حُسنیٰ ہیں کیسے نرالے
وہ قہّار بھی ہے، وہ رحمٰن بھی ہے
وہ جبّار بھی ہے، وہ منّان بھی ہے
وہ نافع بھی ہے اور وہی ضار بھی ہے!

بساطِ فلک پر یہ کیا جمگھٹا ہے
یہ زہرہ جبیں ہے، وہ لو مشتری ہے
چمکتی دمکتی ہوئی ناچتی ہے
ثوابت یہ لَو اپنی چمکا رہے ہیں
وہ سیّارے گرد ان کے منڈلا رہے ہیں
امڈتی، بپھرتی ہوئی کہکشانیں
کروڑوں ستاروں کی جن میں چمک ہے

کروڑوں مہ و خور یہاں پل رہے ہیں
شمار ان کا آیا نہ آئے کسی کو
نہ حد کوئی پیچھے نہ حد سامنے ہے
بخارات رخشاں کا سیلاب رقصاں
جو بن بن کے شکل حسیں ہے درخشاں
جو مٹتا ہے، مٹ مٹ کے پھر بن رہا ہے
یہ کس قہر افگن کی ہے شعلہ سازی
یہ پھیلی، یہ بڑھتی ہوئی سیل ہستی
وہ ساحل پہ پہنچی، وہ ساحل سے پلٹی!

خلاؤں سے آگے بھی کوئی خلا ہے
شہنشاہ کیسا یہاں حکمراں ہے
وہ قادر ہے، قدرت دکھاتا نہیں ہے
وہ خالق ہے، خلقت بناتا نہیں ہے
وہ سلطاں ہے پر سلطنت کچھ نہیں ہے
وہ حاکم ہے، شوق حکومت نہیں ہے

یہاں ساز جو ہے وہ سازِ عدم ہے
جو موج ہوا ہے وہ موجِ عدم ہے
دل خاک میں نقش نقشِ عدم ہے
جو آب بقا میں عدم کی جھلک ہے
تو شعلوں میں نورِ عدم کی لپک ہے
فضا میں فنا ہے، خلا میں فنا ہے
جو گل ہے یہاں وہ گلِ نیستی ہے
خلش خار کی ہے نہ نکہت ہے گل کی
نہ ظلمت یہاں ہے نہ کوئی کرن ہے
اجل اپنا کوس ظفر ہے بجاتی
ہوا ہے، نہ مٹی، نہ پانی، نہ آتش
شہنشاہ اعظم جو یہ حکمراں ہے
وہ قادر بھی ہے اور مختار بھی ہے
وہ مالک بھی ہے اور جبّار بھی ہے
وہ اوّل بھی ہے اور آخر وہی ہے
جو حملہ کرے وہ مکاں لامکاں پر

تو تاراج پل میں مکاں لامکاں ہو

عدم یہ نہیں ہے، یہ ہے اصل ہستی
یہ ہے نور خالص، یہ ہے جان ہستی
ہمیشہ یہاں نور جاں رقص میں ہے
اسی رقص سے بن رہے ہیں دمادم
یہ جذب محبّت ، یہ پرّان تخیّل
یہ برّان نظر اور یہ فکر درخشاں
یہیں مادّہ کو ملا رازِ ہستی
جو کچھ جاں چرائی تو کچھ نور پایا
خلاؤں میں پھر اپنا سکّہ جمایا
بنیں سرحدیں ایسی مضبوط و محکم
کوئی آنا چاہے تو آنے نہ پائے
اجاڑے کوئی تو اجڑنے نہ پائیں
خلائیں پھر اقلیم اپنا بسایا
یہ تارے بنائے، یہ سورج بنایا

بنائیں یہ پھیلی ہوئی کہکشائیں
خلائیں بسائیں، فضائیں سنواریں
نئی نور و ظلمت کی موجیں بہائیں
دمادم رواں ہے عجب سیلِ ہستی
یہ تابندہ ہستی، یہ پائندہ ہستی
غضب شعلہ ساماں، غضب شعلہ در بر
یہ ہے بال جنباں، پر افشاں، غزل خواں
فروزاں فروزاں، خروشاں خروشاں
یہ طوفاں فروزاں، خروشاں رہے گا

غضب ناز تھا اور تکبّر غضب تھا
عجب زعمِ تخلیق کا یہ نشہ تھا
یہ سرشار، بدمست غفلت تھی کیسی
نہ انساں بنانا تھا انساں بنایا
دھڑک اٹھی دل میں مرے جانِ فصاں
چمک اٹھّا جاں میں مری نورِ رقصاں

کدھر قہر افگن کی قہر افگنی ہے
جو چہرہ پہ زردی ہے، دل کانپتا ہے
عجب یاس ہے کچھ عجب جانکنی ہے
یہ ڈر ہے، یہ آٹھوں پہر کا ہے دھڑکا
یہ کمزور انساں، یہ معذور انساں
یہ مجہول انساں، یہ مجبور انساں
کہیں سرّ ہستی کو افشا نہ کر دے
اور اس اسم اعظم کے زورِ فسوں سے
یہ سورج کو نوچے تو تاروں کو توڑے
یہ پھیلی ہوئی کہکشاں کو مٹا دے
ہیولا بنا دے، ہیولا بنا دے

مرے دل میں اب بس یہی آرزو ہے
یہی فکر ہے اور یہی جستجو ہے
کہ وہ نورِ جاں میری آنکھوں میں جھلکے
وہ دل میں سمائے، رگ جاں میں تڑپے

تڑپ کر وہ دنیا نئی سی بنائے
لطافت کثافت سے دامن چھڑائے
کبھی آئینہ پر نہ پھر زنگ آئے
لطافت سے روشن زمیں آسماں ہو
لطافت، لطافت مکاں لامکاں ہو

○

(۲۲)

دنیا مری کیوں اجڑی ہوئی، اجڑی ہوئی ہے
یہ لوٹ لیں کس نے مری صد رنگ بہاریں
سبزوں میں نہ سبزی ہے، نہ سرخی ہے گلوں میں
نرگس کی بھی وہ زردئی رخسار کہاں ہے
نسریں کی وہ چاندی ہے نہ سوسن کا ہے نیلم
رنگت ہے نہ نکہت ہے نہ رعنائی صورت
شاخیں مری عریاں بھی ہیں، سوکھی بھی ہوئی ہیں
پتّوں کے بچھڑنے سے وہ دلگیر و حزیں ہیں
وہ دیکھو اس اک شاخ پہ کیسے ہیں یہ پتّے
پتّے ہیں کہ یہ ننّھی سی لاشیں ہیں ہوا میں

کیا دار پہ آویزاں شہیدان وفا ہیں
چہروں پہ ہے چھائی ہوئی کیا موت کی زردی
کیا سکڑے ہوئے جسم شکنجوں میں پڑے ہیں
یہ دست صبا نے جو شکنجوں سے چھڑایا
لو ان کے جنازے ہیں رواں دوشِ صبا پر

گرمی سے یہ تپتی ہے زمیں صحنِ چمن کی
چشمے جو ہیں وہ خاک اڑاتے ہیں سروں پر
اب آبِ رواں کی جو روانی تھی کہاں ہے
قطروں کی زبانوں میں بھی کانٹے سے پڑے ہیں
کیسی ہے حبابوں کی یہ بیتابئ جانسوز
اُٹھ اٹھ کے وہ کہتے ہیں ذرا پانی پلادو
طائر بھی پریشان ہیں ، منہ کھولے ہوئے ہیں
دل کی یہ تڑپ ہے کہ یہ ہے ماہئ بے آب
دریاؤں میں پانی ہے نہ جنگل میں ہیں سایے
سائے تو خدا جانے کہاں جاکے چھپے ہیں

یہ صبح کا کافور ہے اک پارۂ سیماب
کیسی یہ تپش ہے کہ زمیں جھلسی ہوئی ہے
دیکھو تو فلک پر بھی تپش لوٹ رہی ہے
کہتا ہے وہ بادل سے: کہاں جا کے چھپا ہے
بھیگے ہوئے دامن میں مجھے آ کے چھپا لے
اس شعلۂ جانکاہ سے جاں میری بچا دے
اب تاب کسے دیکھے جو یہ شعلہ فشانی
یہ رقص شرر اور یہ طغیانیٔ آتش
خسخانۂ مژگاں میں نظر جا کے چھپی ہے!

وہ دن ہیں مجھے یاد کہ سرسبز تھی دنیا
ہر چیز تر و تازہ، تراوت کی لڑی تھی
نظروں میں مری آج بھی وہ گھوم رہی ہے
ساون کی گھٹا دیکھو تو کیا جھوم رہی ہے
یہ موج ہوا ہے کہ یہ صہبا کی ہیں موجیں
شبنم کے یہ قطرے ہیں کہ یہ مے کی ہیں بوندیں

شاخیں بھی سجیلی ہیں، شجر بھی ہیں سجیلے
سبزوں کے زمرّد بھی ہیں، پتّوں کے زمرّد
موتی کے ورق بکھرے ہوئے، بکھرے ہوئے ہیں
پھولوں کی ذرا دیکھو تو آرائشِ محفل
رخسار جو گلگوں ہیں تو ہونٹوں پہ ہے لالی
رنگوں کے یہ پرچم ہیں کہ رنگین دھنک ہے
چشموں میں جو یہ پگھلی ہوئی چاندی رواں ہے
نرگس ہے کہ اس آئینہ کو دیکھ رہی ہے
آنکھیں ہیں جھکی جانے وہ کیا دیکھ رہی ہے
سنبل بھی سنوارے ہوئے زلفوں کو کھڑا ہے
سوسن کی زباں اس کو سناتی ہے فسانے
رنگین فسانے، یہ محبّت کے فسانے
سائے ہیں زمیں پر تو وہ بادل ہیں فلک پر
کیا ٹھنڈی ہوائیں ہیں کہ بس گھوم رہی ہیں
بوندیں ہیں کہ گاتی ہیں طرب ریز ترانے
گاتے ہوئے موتی ہیں یہ قطروں کی زبانیں

موتی کا ترشّح ہے یہ نغموں کا ترشّح
کیا اہل چمن سنتے ہیں ہنس ہنس کے یہ نغمے
دامن میں اٹھا لیتے ہیں موتی کے خزانے
سرسبز یہ دنیا ہے، شگفتہ ہے نظر بھی
سیراب چمن ہے یہ مرا دل بھی ہے سیراب
بلبل بھی چہکتی ہے مرے ہونٹ پہ، دل میں

کس نے مری بلبل کو پھنسایا ہے قفس میں
وہ نغمہ جاوید ہے اور تنگ قفس ہے
دل ہے مرے بس میں نہ مری جان ہے بس میں
اب شعر مرے بس میں نہ ایمان ہے بس میں
گلزار تخیل مرا سنسان پڑا ہے
ویرانہ ہے، ویرانہ ہے، ویران پڑا ہے
وہ باد بہاری مری اب کیوں نہیں آتی
زنگار تو ہے، آئینہ وہ کیوں نہیں تپتی
وہ حسن کہاں اب وہ لطافت بھی ہے روپوش

کیا پھیلی ہوئی ، پھیلی ہوئی ہے یہ کثافت

سنتے ہو سنو ہلکی سی آواز یہ کیا ہے
جو اڑتی ہوئی آتی ہے یوں دوش ہوا پر
جیسے کہ کہیں دور سمندر ہے خروشاں
موجیں ہیں کہ بے چین ہیں بے تابیٔ دل سے
ساحل سے وہ اٹھ اٹھ کے گلے ملتی ہیں کیا کیا
رہ رہ کے تڑپتی ہیں ، پٹکتی ہیں سر اپنا
کیا عاشق مہجور ہے اور صبح جدائی!
اٹھو تو ذرا دیکھو یہ جانسوز نظارہ
کیوں موجیں تڑپتی ہیں ، تڑپتا ہے یہ ساحل
دیکھا جو سمندر کو بہت دور پڑا ہے
یہ صبح جدائی ہے وہ ساحل سے جدا ہے
کیا میلوں یہ پھیلی ہوئی ہیں ریت کی لہریں
اور ریت پہ بکھرے ہوئے ہیں سنگ کے ریزے
موجیں ہیں بہت دور ، بہت دور ہے ساحل

موجیں وہ اٹھیں، دیکھو وہ کس جوش سے اُٹھیں
ابھریں بھی وہ تڑپیں بھی، وہ بپھری ہوئی دوڑیں
کیا کیا وہ اچھلتی ہوئی، کس شور سے آئیں
کیا دوش ہوا پر وہ گرجتی ہوئی آئیں
طوفاں کی طرح چیختی، للکارتی آئیں
کیا فیل سیہ مست یہ چنگھاڑ رہا ہے
بادل ہے کہ اڈا ہوا آتا ہے زمیں پر
کف ہونٹوں پہ ہے، غیظ ٹپکتا ہے نظر سے
یہ زور، یہ شور اور یہ ہنگامہ غضب ہے
یہ موجیں تو ساحل سے گلے مل کے رہیں گی
یہ موجیں تو دنیا سے گلے مل کے رہیں گی
یہ بحر جو سمجھو تو یہ ہے قلزم ایماں
یہ چشمۂ حیواں ہے، یہی آب بقا ہے
دل زندہ ہے، جاں زندہ ہے، پائندہ ہے دنیا

اللہ! یہ موجوں پہ عجب وقت پڑا ہے
اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
وہ زور، وہ شور اور وہ ہنگامہ کہاں ہے
للکار وہ کیوں چپ ہے، وہ یلغار کہاں ہے
اٹھتی ہیں تو اٹھنے کی سکت آہ کہاں ہے
چلتی ہیں تو چلنے کی سکت آہ کہاں ہے
مفلوج ہے چال اور یہ رعشہ ہے بدن ہیں
اٹھتی ہیں تو گر پڑتی ہیں پھر اٹھ نہیں پاتیں
چلتی ہیں تو یہ چال نہیں نقش قدم ہے
تیزی ہے نہ کس بل ہے نہ وہ جوش جواں ہے
ساحل ہے بہت دور، بہت دور، بہت دور
اب منزل مقصود کہاں کون بتائے
اب چشمۂ حیواں ہے نہ وہ آب بقا ہے

دیکھو تو سمندر وہ مرا خشک پڑا ہے
اک خاک سی اڑتی ہے جہاں سیل رواں تھا

آنکھوں میں تری آئے تو کس آب سے آئے
اب جان ہے پژمردہ ، یہ دل سوکھ چکا ہے
یہ قلزم عمّاں تھا کہ اک وہم تھا کیا ہے
یہ آب تھا یا سیل سراب دل وجاں تھا
ابھرا ہوا، پھیلا ہوا ، بڑھتا ہوا دھوکا
رنگیں سا، یہ زرّیں سا ، چمکتا ہوا دھوکا
کیا جلوۂ نکہت تھا ، مہکتا ہوا دھوکا
کیا شہپر شاہیں تھا یہ اڑتا ہوا دھوکا
کیا جوش و خروش اور وہ کیسا تھا تلاطم
آنکھوں میں سکوں تھا تو مرے دل میں سکوں تھا
آسودگیٔ ذہن تھی ، آسودہ تھی جاں بھی
یہ میرا سکوں لوٹ لیا کس نے بتاؤ
آسودگی قلب و نظر میری کہاں ہے
اب جاں کی خوشی ڈھونڈوں کہاں کیسے ہیں پاؤں
دنیا مری اب اجڑی ہوئی ۔اجڑی ہوئی ہے
وہ جلوۂ نکہت ہے نہ وہ رنگوں کا انبار

وہ قوسِ قزح ہے نہ وہ میثاقِ ازل ہے
وہ شعلۂ سرِ طور جو چمکا تھا کہاں ہے
اب نظروں میں ظلمت کی کرن کھیل رہی ہے
سب لٹ گئیں رنگیں سی، معطّر سی بہاریں

○

(۲۳)

(۱)

یہ استخواں جو مرے ہاتھ میں ہے دیکھو تو
یہ کھوکھلا سا ہے جیسے شکستہ ساغرِ مے
وہ مے کہاں ہے جو رنگیں اسے بناتی تھی
کھلے کھلے سے یہ روزن ہیں ان میں جھانکو تو
وہ کیا ہوا جو گراں مایہ گنج باقی تھا
یہ ٹوٹی پھوٹی سی، بھیلی ہوئی سی ہڈی ہے
کہ خالی خالی سا، تاریک سا یہ حجرہ ہے
نہ شمع بزم نہ کوئی چراغ محفل ہے
وہ مغز کیا ہوا، کیسا تھا وہ سفید سفید

وہ موتیا تھا کہ بیلا تھا، موگرا کیا تھا
سفید پھولوں کو جیسے کسی نے گوندھا تھا
وہ میرا مغز کہاں ہے جو مغز ہستی تھا؟

وہ مغز کیا ہوا، پوچھو نہ استخواں سے مرے
وہ عنکبوت تھا، پھیلے ہوئے تھے جال اس کے
وہ ہلکے ہلکے سے، باریک، نرم و نازک سے
یہ چرم و گوشت بھی میرے، یہ ہڈیاں میری
بندھی بندھی سی تھیں مضبوط سخت تاروں میں
یہ مغز تھا کہ یہ تھا اک طلسم ہوش ربا
نہ جانے کیسا فسوں تھا، یہ کس کا جادو تھا
مری رگوں میں یہ خوں کی تپش اسی سے تھی
جو میری نبض میں رفتار تھی اسی سے تھی
یہ میرے دل کی جو دھڑکن بھی تھی اسی سے تھی
یہ میرے کان جو سنتے تھے اس کا جادو تھا
نظر میں نور جو بھرتا تھا اس کا جادو تھا

یہ نکہت گل رعنا اسی کا جادو تھا
یہ جاں میں شعلۂ جاں بھی اسی کا جادو تھا!

مری امیدیں، مرے ولولے، مرے ارماں
ہنسی خوشی جو مچلتی تھی خانۂ دل میں
وہ درد و یاس کی لہریں وہ خم بہ خم موجیں
حسین سپنے جو شب کو مجھے لبھاتے تھے
یہ حسن اور یہ اس کا جمال دل افروز
یہ شمع عشق اور اس کا یہ شعلۂ جانسوز
بہار علم و عمل کا خزانۂ زرّیں
عقاب فکر کی پرواز آسماں پیما
شہہ خیال کی بڑھتی ہوئی یہ اقلیمیں
مری خودی کا یہ صد رنگ جلوۂ رعنا
اسی کے تاروں کی جنبش کے سب کرشمے تھے!

(۲)

میں کیا ہوں اور یہ مجبور دست و پا کیا ہیں

مرا خیال، مرا دل، یہ میری جاں کیا ہے
یہ پتلیاں ہیں جو مجبور رقص پیہم ہیں
فسوں یہ کیسا فسوں ساز نے بنایا ہے
یہ سامری کا، یہ جمشید کا کرشمہ ہے
یہ عنکبوت جو بیٹھا ہے استخواں میں مرے
اسی کے تاروں کی ہلکی، لطیف لرزش سے
نئے نئے ہیں یہ رنگیں حسین نظّارے
وہ دیکھو تار کھنچا، دیکھو اس نے جنبش دی
یہ کیسا جوش ہے، صد رنگ دلولے کیوں ہیں
بہار حسن یہ کیوں دل میں لہلہاتی ہے
وہ شمع عشق جو روشن ہے کیسی روشن ہے
نظر سے دیکھو تو چنگاریاں نکلتی ہیں
یہ دل میں دیکھو تو کیسے چراغ جلتے ہیں
رگوں میں خون کے بہتے ہیں کیسے فوّارے
کہیں ہے دشت نوردی، کہیں ہے تیشہ زنی
بہار وصل کبھی ہے کبھی ہے ہجر کی آگ

یہ جاں سپاریٔ دل، یہ وفائے شعلہ بجاں
یہ داغہائے جگر، درد ہائے بے پایاں

وہ کون دیکھو تو ہے چاندنی میں محو خرام
بدن ہے یہ کہ کسی نے شباب کو لے کر
شعاع نور کے سانچے میں آج ڈھالا ہے
بہار دیکھو، یہ کیسی ہے رنگ و بو کی بہار
یہ ابھری جوانی یہ پھیلا پھیلا شباب
یہ سرو دیکھو، یہ سنبل یہ لالۂ و ریحاں
میں بینوا ہوں، مری یہ بساط خالی ہے
میں کیسے آہ بساؤں یہ محفل ویراں
میں کیسے پاؤں اسے دل میں دوں جگہ کیسے
اس عنکبوت نے دیکھو پڑھا یہ کیا افسوں
یہ راہ روکے جو بھاری چٹان کی سل تھی
وہ دم زدن میں نگاہوں سے میری اوجھل تھی
وہ بوئے گل تھی، وہ دود چراغ محفل تھی

یہ کون خانۂ دل میں مرے خراماں ہے
یہ میری جاں بھی ہے ایماں بھی اور قرآں بھی

یہ کیسی جنبش پیہم ہے تاروں کی اللہ!
وہ دیکھو شہپر شاہیں کی تیز پروازی
ابھی زمیں پہ جو تھا اب وہ آسماں پر ہے
یہ نیلگوں سی فضائیں جو بچھ رہی ہیں یہاں
اسے بلاتی ہیں کہتی ہیں آؤ دیکھو تو
یہ چاند تارے جو اوج فلک پہ روشن ہیں
یہ کہکشانوں کی شاخیں جو جھومتی ہیں یہاں
یہ نیلی نیلی فضائیں جو لہلہاتی ہیں
یہ سیرگاہ تمہاری ہے آؤ سیر کرو
چمک وہ چاند سے لیتا ہے ضو ستاروں سے
وہ کہکشانوں سے لیتا ہے ان کی رعنائی
اور ان سے اپنی زمیں کو حسیں بناتا ہے
وہ دیکھو غوطے لگاتا ہے پھر سمندر میں

یہ کیسے کیسے گہر ہیں، یہ کیسے مرجاں ہیں
جو حجرہ ہائے سمندر میں یوں ہیں گوشہ گزیں
چمک سے ان کی یہ گہرائیاں بھی روشن ہیں!
زمیں کے سینے میں قاروں کا کیا خزانہ ہے
یہ لعل اور یہ زمرّد، یہ برق وش ہیرے
یہ سیم و زر کے یہ سیمیں، یہ زرنگار انبار
انہیں نکال کے اپنی زمیں سجاتا ہے!

یہ دیکھو جوشِ عمل بھی ہے کیسا طوفاں خیز
وہ دشت کیا ہوئے جن سے یہ دل لرزتا تھا
بھرے بھرے سے یہ دیکھو تو سارے خرمن ہیں
یہ جنگلوں کی بھی کیسی ہے گلشن آرائی
جو خار ہیں وہی اب بن رہے ہیں لالۂ و گل
جو ذرّے ہیں وہی بنتے ہیں مہرِ عالمتاب
یہ کیسا ریگ میں بہتا ہے نور کا دریا
شکستہ ساغرِ غربت ہے مے سے اب رنگیں

نظر نظر میں جھلکتی ہیں حور کی آنکھیں!

یہ میرے تار کو دیکھو تو پھر ہوئی جنبش
نہ عزم ہے نہ کوئی حوصلہ نہ ارماں ہے
جو دیکھو خیر کو وہ منہ چھپائے بیٹھا ہے
وہ دیکھو شر کا پھریرا ہوا میں اڑتا ہے
فساد دیکھو بناتا ہے دل میں کاشانہ
یہ آدمی ہے جو یوں آدمی کا دشمن ہے
یہ ملک و مال کے جھگڑے، یہ ملّتوں کا فساد
فساد بندۂ و آقا ، یہ رنگ و خوں کا فساد
فساد محنت و سرمایہ ، سرخ سرخ فساد
وہ دیکھو مور و ملخ سا یہ کس کا لشکر ہے
یہ خوفناک ، یہ خوں خوار کیسا طوفاں ہے
جو بڑھتا جاتا ہے مشرق کی ارض رنگیں پر
یہ کس ہلاکو کی دیکھو تو ہے یہ سفّاکی
یہ کس سکندر اعظم کی ہے یہ قزّاقی

یہ کیسی نار سعیر اب جہاں میں روشن ہے!

یہ عنکبوت کا دیکھو تو کیسا جادو ہے
یہ میرا دل جو ہراساں تھا خانۂ دل میں
مشقّتوں سے جو دن کی شکستہ حال سا تھا
جسے یہ رات کی تنہائیاں ستاتی تھیں
جو جان لیوا درندوں کے تیز جنگل سے
بچاتا پھرتا تھا جان اپنی پر نہ بچتی تھی
جو ریگ صحرا کے تپتے، جھلستے ذرّوں میں
یہ آب دیکھتا تھا یا سراب دیکھتا تھا
کہاں گئی وہ پریشاں دلی، وہ حیرانی
وہ آج میٹھی سی آسودہ نیند سوتا ہے

یہ اونچے اونچے پہاڑ اس کی راہ روکے تھے
یہ گہری گھاٹیاں کیا کیا اسے ڈراتی تھیں
یہ پھیلے پھیلے ہوئے قلزموں کے سینوں پر

جہاز چلتے تو تھے پر تباہ ہوتے تھے
وہ گھاٹیاں ہیں کہاں، وہ پہاڑ اب ہیں کہاں
تلاطم اب ہے کدھر، اب کہاں ہے وہ طوفاں
ہوا میں جھولتا ہے وہ خلا میں اڑتا ہے
وہ آسمانوں سے آگے فلک کو ڈھونڈتا ہے

وہ چاہتا تھا کہ مشکل میں آسرا ہو کوئی
وہ ڈھونڈتا تھا سہارا کوئی بنے اس کا
وہ مانگتا تھا مداوا ہو درد دل کا کوئی
کبھی شجر کو، حجر کو کبھی وہ پوجتا تھا
کبھی وہ چاند ستاروں کو، مہر انور کو
بنا کے خالق و معبود سجدے کرتا تھا
یہ مندروں میں ہے ناقوس کی صدا کیسی
یہ مسجدوں میں اذاں دیکھو گونجتی کیوں ہے

یہ کیسی تار کو جنبش ہوئی کہ سحر ہوا

جو چھوڑے دل نے وہ افسانہ ہائے پارینہ
جو وہم تھا وہ پھر اکبار وہم بن کے رہا
وہ گہرے گہرے سے، تاریک سے جو پردے تھے
جو اس کے قلب و نظر کا حجاب بنتے تھے
وہ پردے ہٹ کے رہے، تار تار ہو کے رہے
جو اس نے دیکھا، دل و جاں میں جھانک کر دیکھا
تو اس نے اپنی خودی جلوہ آرا پھر دیکھی
خودی جو روزِ ازل سے تھی دل میں پردہ نشیں
جو اونگھتی تھی، جو غفلت کی نیند سوتی تھی
وہ جاگی خواب سے، آنکھیں وہ اس نے کھولیں
وہ اٹھی، اور وہ انگڑائیاں جو لیں اس نے
یہ کیسا جادو تھا، کیسا یہ اسمِ اعظم تھا
زمیں سے چشم زدن میں فلک پہ جا پہنچی
فلک تو کیا ہے وہ عرشِ بریں پہ جا پہنچی
مکاں بھی ہاتھ میں اس کے ہے، لامکاں بھی ہے ا

یہ ہلکا ہلکا سا، باریک، نرم و نازک سا
جو عنکبوت کا پھیلا ہوا ہے رنگیں جال
ابھر ابھر کے نئے پیچ و خم دکھاتا ہے
الجھ الجھ کے نئی گتھیاں بناتا ہے
یہ وہم ہے کہ گماں ہے کہ اک فسانہ ہے
جو چاہو دیکھو اسے وہ نظر نہیں آتا
جو چاہو ہاتھ میں لو تار تار ہوتا ہے
کسے مجال بتائے وہ عنکبوت ہے کیا
کسے مجال دکھائے کہاں وہ بیٹھا ہے
کسے یہ تاب ہے دل پر جو اس کے ہاتھ رکھے
سلجھ سلجھ کے الجھتی ہیں گتھیاں ایسی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
جو سوچو دل میں کہ دھوکا ہے وہم ہے کیا ہے
وہ اک حقیقت سنگیں کا روپ بھرتا ہے
لپٹتا ہے وہ مرے جسم، دست و پا میں مرے
لپٹتا ہے مرے چہرے سے، میری آنکھوں سے

لپٹ لپیٹ کے وہ وہم لطیف دیکھو تو
پھنساتا ہے دل و جاں کو بھی اپنے چنگل میں
میں کیا ہوں اور یہ مجبور دست و پا کیا ہیں
مرا خیال، مرا دل، یہ میری جاں کیا ہے
یہ اختیار پہ دیکھو تو جبر کیسا ہے

○

(۲۴)

کس نے یہ آج بلایا ہے مجھے
میں ہوں اور بستر تنہائی ہے
بوریا ہے کہ یہ ہے نقش حصیر
میرے سونے سے مکاں میں اب تو
سازو سامان نہیں ہے کچھ بھی
مخمل و اطلس و دیبا بھی نہیں
روشن آئینے نہ رنگیں قالیں
شیریں نغمے ہیں نہ بجتے ہوئے ساز
شعلۂ رقص نہ چھم چھم کا رباب

اور دیکھو تو مرے گلشن میں
روپ ہے یہ کہ ہیولا ہے کوئی
مخمل سبزہ ہے پر سبز نہیں
شبنم آتی ہے تو اڑ جاتی ہے
غنچے ہیں پر وہ چٹکتے ہی نہیں
پھول ہیں پر وہ مہکتے ہی نہیں
لالۂ وگل کی وہ رنگت ہے کہاں
چشمے بہتے ہیں تراوت ہے کہاں
کوئل آتی ہے پہ کوکو ہی نہیں
دیکھو بلبل کی زباں بھی ہے خموش!

میرا یہ خانۂ دل ویراں ہے
شوق ہے اب نہ کوئی ارماں ہے
ولولے ہیں تو ابھرتے ہی نہیں
حوصلے ہیں تو نکلتے ہی نہیں
لو امیدوں کی چہک ہے خاموش

آرزوئیں بھی کہیں ہیں روپوش
یاس اب چہرہ دکھاتی ہی نہیں
اور حسرت بھی چھپی بیٹھی ہے
درد و حرماں بھی ہیں بچھڑے بچھڑے
رنج و غم پھرتے ہیں بھٹکے بھٹکے
وصل کے پھول تو کھلتے ہی نہیں
ہجر کی آگ تو جلتی ہی نہیں
خوں میں گرمی نہ تپش ہے دل میں
دل دھڑکتا ہے، یہ دھڑکن کیا ہے
اس میں کچھ درد نہیں، سوز نہیں

کیسے اب جاؤں میں کیا لے جاؤں
پھول کھلتے تھے مرے گلشن میں
لالہ زار اور سمن زار بھی تھے
زرد گیندے تھے ابھرتے کیا کیا
ارغواں رنگ فشاں تھے کیا کیا

دائرے بیل اپنی دکھاتے تھے پھبن
گل بھی پھیلائے تھے رنگیں دامن
کوئلیں کوک سُنا جاتی تھیں
بلبلیں آ کے چہک جاتی تھیں
موتی شبنم کے دمکتے تھے یہاں
تارے جگنو کے چمکتے تھے یہاں
مہ و خورشید تھے روشن روشن

تم نہ آئے یہ نہ آئے دل میں
میرے پھولوں کو تو سونگھا ہی نہیں
میرے ہاروں کو تو پہنا ہی نہیں
میں نے پھر سوچا یہ اپنے دل میں
کیوں سجاؤں میں یہ رنگیں گلشن
فائدہ کیا جو گل و لالہ کھلیں
تم نہ توڑو گے کبھی پھولوں کو
بلبلوں کو میں بلاؤں بھی تو کیا

تم سنوگے نہ کبھی نغموں کو

میرے پھولوں نے اڑائی نکہت
اور پیغام یہ بھیجا تم کو
منتظر دل بھی ہے، جاں ہے بیتاب
دن جو بے کل ہے تو راتیں بے خواب
ایک دن بھی تو ذرا آجاؤ
میری آنکھوں میں بسو، دل کو بساؤ
آؤ گلگشت کرو گلشن میں
لالۂ و گل کی یہ رنگت دیکھو
اور بیلوں کی یہ خوشبو سونگھو
دیدہ ور کیسی ہے نرگس دیکھو
گرم تقریر یہ سوسن کی سنو
تم نہ آئے نہ وہ نکہت آئی
ایسی بھٹکی کہ بھٹکتی ہی رہی

بلبلوں نے مرے دل کے نغمے
دوشِ پُر رخشِ صبا کے بھیجے
کتنے شیریں ہیں یہ گانے سُن لو
آرزوؤں کے مچلتے ہوئے گیت
ولولوں کے یہ لہکتے ہوئے گیت
درد و حسرت کے تڑپتے ہوئے گیت
میری آہیں سنو ، نالے بھی سنو
تم نہ آئے نہ وہ نغمے لوٹے
ایسے کھوئے کہ وہ پائے نہ گئے

کس نے یہ آج بلایا ہے مجھے
میں جو جاؤں بھی تو کیسے جاؤں
جاؤں بھی تو اسے کیا نذر کروں
یہ رگیں ہیں مری ٹھنڈی ٹھنڈی
خوں بھی پانی سا بہا کرتا ہے
ہاں نظر ہے تو مگر نور نہیں

جانے کیا دیکھتی ہے، دیکھتی ہے
کیسا احساس ہے کچھ حس بھی نہیں
سانس آتی ہے، چلی آتی ہے
کچھ شرر بھی نہیں، اخگر بھی نہیں
گجرے پھولوں کے بناؤں کیسے
میرے دل میں تو کوئی پھول نہیں
ہار موتی کا پنھاؤں کیسے
میری آنکھوں میں تو آنسو بھی نہیں
کیسے لاؤں میں لباس زرّیں
میرے خوابوں کے وہ ریشم ہیں کہاں
مخمل و اطلس و دیبا ہیں کہاں
کیسے زیور سے سجاؤں اس کو
خوں کے قطروں میں وہ اب لعل نہیں
میری تخئیل کے نیلم بھی نہیں
فکر شب تاب کے گوہر بھی نہیں
دیکھو نظموں کے شکستہ ہیں رباب

کب سے ہیں تشنہ مضراب یہ ساز

چاہنے والے تمہارے ہیں بہت
کتنے پروانے چلے آتے ہیں!
دیکھو اپنی وہ پیشکش لاتے ہیں
داغ دل، داغ جگر لاتے ہیں
حرز جاں، نور نظر لاتے ہیں
آرزوؤں کے ضیا بار چراغ
گل ارماں کے مہکتے ہوئے باغ
شوق و حسرت کے وہ رنگین ایاغ
لاتے ہیں۔ اور وہ کیا لائیں گے؟
شہپر فکر پہ اڑتے اڑتے
تاروں سے ان کی لویں لائیں گے
چاند سے اس کی چمک لائیں گے
کہکشاں کی یہ روپہلی شاخیں
توڑ کر آج یہاں لائیں گے

آسماں کا وہ یہ نیلم لے کر
اور بادل کی یہ چاندی لے کر
اور شفق کا یہ خزانہ لے کر
جس میں نیلم بھی ہے، مرجاں بھی ہے
لعل و یاقوت، زمرّد بھی ہے
اور زر و سیم بھی، گوہر بھی ہے
آج آئیں گے، ضرور آئیں گے
اور سنواریں گے رُخِ زیبا کو

تم نے کیوں آج بلایا ہے مجھے
اپنی تنہائی سے کیسے بچھڑوں
دل ہے مایوس، یہ جاں ہے مایوس
سانس کی آمد و شد ہے خاموش
دل کی دھڑکن بھی کہیں ہے روپوش
اب بتاؤ تو بلاتے کیوں ہو
مجھے شرمندہ یہ کیوں کرتے ہو

اب کوئی تحفہ کہاں سے لاؤں
برگ سبز اب تو مرے پاس نہیں
بینوا ہوں میں، شہہ حسن ہو تم
تم تو رحمٰن بھی، ذوالفضل بھی ہو
تم جو آجاؤ تو دل جاگ اٹھے
میری کھوئی ہوئی دولت مل جائے
بھولے بسرے وہ عزائم اُبھریں
ولولوں کے مرے طوفاں لپکیں
پھر تخیّل کے چھلاوے چہکیں
بال جنباں ہو یہ عشق جانباز
شہپر فکر ہو وقف پرواز
گلشن جاں میں بہار آجائے
میرے شعروں پہ نکھار آجائے

۲۵

ریگ ساحل پہ نیاں کیسے بنے
دردِ دل درمانِ جاں کیسے بنے؟

کیسی یہ آوازِ بے آواز ہے؟
یہ ہوا کی سانس ہے چلتی ہوئی
پھول کی خوشبو میں ہے لپٹی ہوئی
اور دھنک کے رنگ سے نکھری ہوئی
ایک جھنکاری سی ہے اڑتی ہوئی
سینۂ ہستی میں بل کھاتی ہوئی
کیا مچلتی کیسی اٹھلاتی ہوئی

اور یہ آواز کہتی ہے مجھے

اے اسیرِ شام، پابندِ سحر
اے اسیرِ حسن، پابندِ جمال
اے اسیرِ شوق، پابندِ ہوس
اے اسیرِ دامِ گلچینِ عدم
اپنے ارمانوں میں کیوں الجھا ہے تو
اپنی امّیدوں سے کیوں لپٹا ہے تو
ولولوں کے بل پہ کیوں اڑتا ہے تو
حسرت و ارماں سے یوں محزوں ہے کیوں
درد و غم کی آگ میں جلتا ہے کیوں
دل کو خوں اب دمبدم کرتا ہے کیوں
وصل کی امّید پر جینا عبث
وسوسے سے ہجر کے مرنا عبث!

اور وہ آواز کہتی ہے مجھے

دل یہ تیرا ہے کہ اک رنگیں قفس
آہ کیسا ہے یہ زنداں زرنگار
اور سچ ہے قیدیٔ زنداں ہے تو
یہ امنگوں اور تمنّاؤں کا جال
آرزوؤں اور ارمانوں کا حال
حوصلوں کا جال، امّیدوں کا جال
کیسا زرّیں ہے یہ زنجیروں کا جال!

لو سنو آواز بے آواز کو
کان کے پردوں سے ٹکراتی ہوئی
خوں میں بہتی، نبض میں چلتی ہوئی
دل میں گھس کر دل کو تڑپاتی ہوئی
ہر بُن مُو میں زباں بنتی ہوئی
اٹھ رہی ہے جسم و جاں کے ساز سے
میٹھے میٹھے سُر میں یہ کہتی ہوئی:

اے اسیر شام، پابند سحر
توڑ زنجیروں کو، زنداں سے نکل
وقت ہے آزاد، زندانی نہ بن
اپنی امّیدوں کا دامن چھوڑ دے
اپنے ارمانوں کا شیشہ توڑ دے
وصل کی گھڑیوں کو گننا چھوڑ دے
ہجر کے گھنٹوں کو سننا چھوڑ دے
صبح خنداں کا یہ ہنسنا بھول جا
شام گریاں کا یہ رونا بھول جا
اب سراب حسن سے منہ موڑ لے
یہ محبّت کا دھندلکا چھوڑ دے

اور وہ آواز کہتی ہے مجھے
چاند تو کم ضو ہے اب اس کو نہ دیکھ
مہر عالمتاب سے آنکھیں ملا
چھوڑ یہ اندیشۂ سود و زیاں

وہم کے پھیلے ہوئے کہرے کو چھوڑ
برہمن کو چھوڑ، واعظ کو بھی چھوڑ
اس فریب مندر و مسجد کو چھوڑ
اور اصنامِ خیالی کو بھی توڑ
پر شکستہ ہے یہ شاہین خیال
ولولوں کا لٹ گیا حسن و جمال
اب عزائم کا کہاں جاہ و جلال
کیسی دوزخ اور یہ جنّت ہے کیا
اب نگاہ حُور میں شوخی کہاں
راکھ کا اک ڈھیر ہے نارِ سعیر
کیسا رنگیں، کیسا زرّیں ہے یہ خواب
کیا چمکتا، کیا دمکتا ہے سراب
خواب سے اب کام دل کیسے بنے
یہ سراب اب آب دل کیسے بنے

اے اسیر شام، پابند سحر

کیسا سورج اور کیسا یہ قمر
کیسے تارے اور کیسی کہکشاں
کیسی یہ رقصندہ، غلطندہ زمیں
دیکھ تو ان کا تماشائی نہ بن
کیسے یہ کہسار، یہ باران و برق
کیسے یہ صحرا، یہ ریگ جانستاں
کیسے یہ دریا، یہ دریا کا عروج
کیسی گلشن کی بہار رنگ و بو
کیسا چشموں کا خرام فتنہ زا
دیکھنا ہے دیکھ شیدائی نہ بن
یہ گل و بلبل کا عشق لازوال
یہ پری وش چہرے، یہ تیغ ادا
زلف پرخم اور نگاہ سرمہ سا
کچھ لگاوٹ، کچھ تغافل، کچھ حیا
یہ محبّت اور یہ عرض وفا
دام رسوائی ہیں تو رسوا نہ بن

اب جنوں کو چھوڑ سودائی نہ بن

اے اسیر شام پابند سحر
کیا ہوئی باغ ارم کی وہ بہار
شاخ طوبیٰ کیوں ہے اب بے برگ و بار
کیا ہوا حوروں کی آنکھوں کا خمار
زلزلے سے عرش اعظم ہل گیا
طائر سدرہ کا شہپر جل گیا
محفل انجم میں خالی ہیں ایاغ
چاند کا دل ہو رہا ہے داغ داغ
دیکھ یہ سورج کا بجھتا ہے چراغ
کہکشاں کا پیرہن ہے تار تار
آسماں کا لٹ رہا ہے اب سنگار
اب کہاں کا باغ اور کیسی بہار

زندگی ہلکی سی اک آواز ہے

دھیمے دھیمے سُر میں اٹھتی ہے سنو
شیریں شیریں سا یہ کیسا گیت ہے
گیت ہے لیکن کوئی سنتا نہیں
اور سنا بھی تو سمجھا ہی نہیں
نالہ ہے پابند نے لیکن نہیں
اک فغاں ہے جس کی لے کوئی نہیں
کس کا ہے بھولا سا، بسرا سا یہ خواب
کیسے اُٹھ اٹھ کر یہ مٹتا ہے حباب
اک کرن ہے پردۂ ظلمات کی
سینۂ گیتی کا اک الماس ہے
بوئے گل ہے پھول سے بچھڑی ہوئی
اور دھنک کا رنگ ہے بھٹکا ہوا
کس کماں کا تیر ہے چھوٹا ہوا
جیسے شاہیں دور دور اڑتا ہوا

اور یہ آواز کہتی ہے مجھے :

میں نے بخشا تجھ کو یہ ذوقِ نظر
میں نے بخشا تجھ کو یہ سوزِ دروں
فکر سے کیسے ٹپکتے ہیں گہر
لعل بنتا ہے ترا خونِ جگر
اُٹھ ذرا ذوقِ نظر سے کام لے
سوزِ دل، سوزِ جگر سے کام لے
کرگس و شاہیں کی دنیا چھوڑ دے
کرگسوں کا دیکھ شیدائی نہ بن
ان کی دنیا کا تماشائی نہ بن
اور شاہیں کا بھی دامن چھوڑ دے
چشمِ شاہیں کور ہے، بے نور ہے
فکرِ شاہیں خام ہے، معذور ہے
جرأتِ پرواز ہے کمزور سی
ہمّتِ جانباز ہے مجبور سی
کیسی یہ قیدِ زماں، قیدِ مکاں
یہ مکاں تیرا ہے، تیرا لامکاں

فکر کو روشن بنا، روشن بنا
درد کو درماں بنا، درماں بنا
چشم دل پھر نور سے ضو بار ہو
فکر روشن مالک و مختار ہو
جرأت پرواز ہو سدرہ نشیں
ہمّت جانباز ہو زہرہ مکیں
خواب غفلت روز بیداری بنے
بے خودی سے ذوق ہشیاری بنے
تیری مجبوری سے مختاری بنے
ریگ ساحل پرنیاں بن کر رہے
درد دل درمان جاں بن کر رہے

ALLAMA IQBAL LIBRARY
83497
K UNIVERSITY LIB.
Ac. No. 83497
Date 23.3.1971

ناشر:-

موتی لال بنارسی داس
پٹنہ، ۴

اگست ۱۹۶۶ء

قیمت:- آٹھ روپے
Rs. 8

کاتب: احمد رضا عظیم آبادی مطبوعہ: دی آزاد پریس، سبزی باغ، پٹنہ ۴

THE UNIVERSITY OF KASHMIR
ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN